رہائی
مومنہ جمیل
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

رہائی

مومنہ جمیل

پاک سوسائٹی کے تحت شائع ہونے والے ناول "رہائی" کے حقوق طبع و نقل بحق ویب سائٹ

Paksociety.com اور مصنفہ (مومنہ جمیل) محفوظ ہیں۔

کسی بھی فرد، ادارے، ڈائجسٹ، ویب سائٹ، ایپلیکیشن. اور انٹرنیٹ کسی کے لئے بھی

اس کے کسی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹیوی چینل پر ڈرامہ و ڈرامائی تشکیل و ناول کی قسط کے

کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر (پاک سوسائٹی) سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ

صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی اور بھاری جرمانہ عائد کرنے کا حق رکھتا ہے۔

"بہت ہو گیا یہ گھٹ گھٹ کر جینا۔ لڑکیوں کو قیدی بنا کر ان پر اپنی ملکیت کے جھنڈے گاڑنا تو ہمارے معاشرے کا المیہ بن چکا ہے۔ ہر وہ کام جس پر مَردوں کو یہ تو مرد ہیں کہہ کر بلا تردد اجازت کا پروانہ دیا جاتا ہے۔ اسی بات کو لڑکی کے لیے موت اور زندگی کا مسئلہ بنا دیا جاتا ہے۔ اور بالفرض جو کوئی لڑکی اپنے حق کے لیے آواز بلند کر دے۔ تو اس پر باغی ہونے کا جرم عائد کر کے سر قلم کر دینے کا حکم جاری کر دیا جاتا ہے"۔

"یہ ان ہی سب باتوں کی تعلیم دیتا ہے کیا ہمارا مذہب۔؟ ہر گز نہیں مذہب کے نام پر قاری کر کے عورتوں کو قتل کرنے والے سب مرد کہاں منہ چھپائے بیٹھتے ہیں۔ جب ان کے باپ بھائی بیٹے اپنی عزتیں داغ دار کرتے پھرتے ہیں۔ تب ان کی نام نہاد غیرت کا بوریا بستر سمیٹ کر نجانے کون سے دیس رخصت ہو جاتی ہے۔ یا پھر شاید مرد اپنی عزت کو عزت سمجھتا ہی نہیں۔ تب ہی جانوروں کی طرح کہیں بھی منہ مارنے بے سوچے سمجھے چل پڑتا ہے۔"

"حسب، نسب نام، مرتبے، حیا اور ناموس کی پاسداری کرنے کا ٹھیکے دار ہمیشہ عورت ہی کو سمجھا جاتا ہے۔ خاص کر جس شہر میں قانون ہی بک چکا ہو۔ وہاں پر عزت دار آدمی عزت سے مر بھی نہیں سکتا"۔

"میں آخری وارننگ دے رہی ہوں انسپکٹر ابھی اور اسی وقت نوید ملک کے خلاف ایف آئی آر درج کرو۔ ورنہ کل صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے تمہارے تھانے کے باہر میڈیا کا انتارش ہو گا کہ بچ کر بھاگنے کے لیے راستہ تلاش کرتے رہ جاؤ گے"۔ وہ بنار کے بولتے ہوئے غصے سے سرخ انگارہ ہو رہی تھی۔ مخاطب پر کوئی اثر ہوتے نہ دیکھ کر اس نے آخر میں دھمکی دی تھی۔

"دیکھیں بی بی آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہم مجبور ہیں۔ نوید ملک کے خاندان کی بہت سیاسی پہنچ ہے۔ اگر میں نے ایف آئی آر درج کر دی تو میری نوکری چلی جائیگی۔ میری بات مانیں معاملہ اندر ہی اندر رفع دفع کر لیں۔ کیونکہ یہ تھانے کچہری میں

عورت کو سوائے ذلت اور رسوائی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا"۔ اسے غضبناک ہوتے دیکھ کر پولیس انسپکٹر نے نرمی سے اسے سمجھانا اور ڈرانا چاہا تھا۔ وہ اسے حلیے اور گفتگو کے انداز سے پڑھی لکھی اور پہنچ والی معلوم ہوتی تھی۔ اس لیے اس نے کسی قسم کا گستاخ رویہ روا نہیں رکھا تھا۔ ورنہ کئی یوں کو تو وہ تھانے سے بڑار سوا کر نکلوا دیا کرتا تھا۔ مگر یہاں ایسی کوئی بھی حرکت کرتا تو اسے لینے کے دینے پڑ سکتے تھے۔ اس لیے سمجھداری برت رہا تھا۔ اسے تیکھی نظروں سے گھورتے ہوئے چند ثانیے بعد ماہم نے تاسف سر کو جنبش دی تھی۔

"یقین نہیں آتا قانون مجرم کے سامنے اتنا مجبور ہو چکا ہے۔ یو نو واٹ!!! آپکی نوکری چلی ہی جانی چاہیئے۔ کیونکہ آپ اس نوکری کے لائق ہی نہیں ہیں۔ کافر ہیں آپ جرم کو روکنے کی بجائے، مجرم کے خوف سے جرم کے حصے دار بنے بیٹھے ہیں۔ شرم آتی ہے مجھے آپ جیسوں کو دیکھ کر۔ یہ بزدلی کبھی نہ کبھی آپ تک لوٹ کر ضرور آئے گی۔ آپکی بہن بیٹی کی صورت۔" وہ گہرے دکھ کے حصار میں گھری اسے سرزنش کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھے باقی دونوں نفوس بھی اسکی تقلید میں مایوسی سے ہمکنار ہوتے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

پولیس انسپکٹر کچھ سخت کہتے کہتے یک لخت خاموش ہوا تھا۔ ماہم جونہی واپسی کے لیے پلٹی اپنی پشت پر نا جانے کب سے موجود ایک سخت وجود سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ اس نے سنبھل کر بھرپور نگاہ سامنے والے پر ڈالی تھی۔ پولیس کی وردی میں ملبوس نکھرا دُھلا مردانہ وجاہت سے بھرپور وہ شخص بڑی فرصت سے اسی کی جانب متوجہ تھا۔ اسکے تاثرات بتاتے تھے کہ وہ چند منٹ قبل ہونے والی گفتگو من و عن سن چکا تھا۔ وہ بے ساختہ نگاہیں پھیر گئی۔

کسی مرد سے نگاہ ملانہ ماہم شیر از جیسی لڑکی کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ ایک سادہ اور اصول پرست لڑکی تھی۔ جو مرد کی برابری تو حاصل کرنا چاہتی تھی مگر اس کے روبرو کھڑے ہو کر اس کی طرح اس سے بے باکی کا مظاہرہ کرنے سے عاجز تھی۔

"کیا مسئلہ ہے غفور کیوں ایف آئی آر درج نہیں کر رہے تم"؟؟۔ وہ سنجیدہ و گھمبیر لہجے میں اب اپنے ماتحت انسپکٹر سے باز پرس کر رہا تھا۔ وہ حلیے ہی سے ماہم کو کوئی آفیسر دکھائی دے رہا تھا۔ اس پر سے اسکے شانے پر چسپاں چاند ستارے مزید ثبوت پیش کر رہے تھے۔ ماہم نے بطور خاص اس کی وردی پر چسپاں اسکے نام کو دیکھا۔ ”ایس پی زوار حیدر“۔

"سر یہ نوید ملک کے خلاف ہراسمینٹ کا کیس درج کروانے آئی ہیں۔ اتنی پہنچ والا عزت دار آدمی ہے سر جی بنا ثبوت کیسے ایف آئی آر درج کی جاسکتی ہے۔" ادھیڑ عمر مکار انسپکٹر غفور اب اپنی نشست سے اٹھ کر مودبانہ سر جھکائے کھڑا وہی مدعہ مختلف زاویے سے پیش کر رہا تھا۔

"آپکے پاس اس بات کا کوئی ثبوت ہے محترمہ۔ کیا آپ سارا واقع مجھے سنا سکتی ہیں۔" انسپکٹر غفور کی چھوڑی گئی نشست

سنبھالتے ہوئے۔ وہ اسی لب و لہجے میں ماہم سے مخاطب تھا۔ وہ پل بھر میں نہ جانے کن خیالوں میں جا کھوئی تھی۔ پھر چونکی۔

"تشریف رکھیئے اور مجھے بتائیے کیا ہوا تھا۔" وہ اسے بیٹھنے کا کہتا ہمہ تن گوش ہوا۔ وہ فوراً اسی نشست پر براجمان ہوئی جہاں بیٹھی وہ تھوڑی دیر قبل غم و بے بسی کا شکار جانے کیا کیا کہہ رہی تھی۔ اس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہونے والی دونوں عورتیں بھی اب واپس اپنی اپنی جگہ بیٹھ چکی تھیں۔

"یہ نوراں ہے۔ ہماری ملازمہ کی بیٹی۔" اس نے اپنے برابر بیٹھی 15،16 سالہ لڑکی کی جانب اشارہ کیا۔ جو بڑی مضطرب سی زمین پر نظریں گاڑے بیٹھی تھی۔

"یہ اور اس علاقے کی چند اور غربت و حالات کی ماری لڑکیاں مجھ سے پڑھنے آتی ہیں۔ راستے میں نوید ملک انھیں بہت عرصے سے پریشان کرتا ہے۔ اس آدمی کی شہرت پورے علاقے میں اس کی گھٹیا حرکتوں کی بدولت ہے۔ وہ انتہائی اوباش انسان ہے۔ آج بازار میں اتنے رش کے دوران اس نے نوراں کو بہت پریشان کیا ہے۔ اگر اتنے لوگوں کے بیچ وہ اسکا ہاتھ پکڑ سکتا ہے۔ تو موقع پا کر وہ کیا کچھ نہیں کر گزرے گا۔ آئے تو تھے یہاں حفاظت و انصاف مانگنے مگر یہاں پہنچ کر علم ہوا ہے۔ اس سفاک انسان کو اس کی درندگی سے روکنے کے لیے اس شہر کے قانون میں بھی طاقت نہیں بچی"۔ ماہم کے زہر میں بجھے طنز کو زوار نے بخوبی سمجھ لیا تھا۔ اس لیے ایک سخت سی نگاہ سر جھکائے نادم کھڑے انسپکٹر غفور پر ڈالی اور گہری سانس بھر تا مدعے کو جانچتا سیدھا ہو بیٹھا۔

"تو کیا وہ سارا شہر گواہی دے گا؟۔ مجرم کے خلاف"؟

زوار کے سوال نے ماہم کو چپ سی لگا دی تھی۔ وہ جانتی تھی نوید ملک ایک نمبر کا چھٹا ہوا بدمعاش تھا۔ علاقے کا کوئی بھی آدمی اس سے بیر لینے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

"نہ سائیں کوئی بھی موت کے منہ میں ہاتھ نہیں ڈالے گا۔ بی بی سائین میں نے آپ سے کہا تھا غریبوں کی کوئی مدد نہیں سوائے اللہ کے" ادھیڑ عمر خاتون جو شاید اسکی ملازمہ تھی اس سے کہہ رہی تھی۔

"تم چپ رہو ماسی ہاجرہ اپنی بیٹی کے تحفظ کے لیے تم بھی آگے نہیں بڑھو گی تو پھر فائدہ تمہارے ماں ہونے کا۔" ماہم نے اسے گھر کا تو وہ سر جھکا گئی۔

"دیکھیں آپ اس علاقے کے انچارج ہیں۔ آپکو بہتر علم ہو گا۔ نوید جیسے بدمعاش کے خلاف گواہی دینے سے کوئی بھی عام اور شریف آدمی گھبرائے گا خاص طور پر اس صورت میں جب اسے کوئی بڑی سزا ہونے کا امکان بھی نہیں"۔ کیا آپ کے لیے وکٹم کی بات پر ایمان لانا اتنا نا ممکن ہے"؟۔ ماہم نے نئی بحث کا آغاز کیا۔ تو زوار مخمصے میں الجھا۔

"دیکھیں میں اس علاقے میں بالکل نیا ہوں۔ مجھے جوائن کیے چند ایک روز ہی گزرے ہیں۔ مگر آپ کو میں ایک بات بتاتا

چلوں میں نوید ملک جیسے گیدڑوں اور ان کی گیدڑ بھبھکیوں کو قطعاً خاطر میں نہیں لاتا"۔ اسے اندیشہ ہوا کہیں کہیں ماہم اپنی اگلی انقلابی تقریر میں اسے بھی خراب سسٹم کا حصہ سمجھ کر نہ رگید ڈالے۔ اس لیے پیشگی اپنے دفاع میں بولا تھا۔

"مگر ان جیسوں کو قابو میں کرنے کے لیے ٹھوس ثبوت کی اشد ضرورت پیش آتی ہے۔ اتنی سمجھدار تو آپ ہوں گی ہی۔ آئی گیس۔ میں فوراً تمام تر قانونی ایکشن لینے کے لیے تیار ہوں کسی بھی مجرم کے خلاف پھر چاہے وہ کتنا بھی اثر و رسوخ والا کیوں نہ ہو۔ مگر مجھے اس کے لیے ویٹنس چاہیئے۔ پھر چاہے۔ وہ کچھ ہو جائے۔ مجرم کو میرے شکنجے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔" وہ بہت گہرے یقین سے کہہ رہا تھا۔

"ثبوت کی ضرورت آپکو ہو گی۔ مسٹر زوار حیدر مجھے نہیں میں اس موقع کی عینی شاہد ہوں۔ اور اپنی آنکھوں کے سامنے میں بھرے بازار میں عورت کی تذلیل ہوتے ہر گز نہیں دیکھ سکتی۔ آپ جیسے خوامخواہ کے اصولوں کے پابند لوگ ہی ہوتے ہیں، جو لوگوں کو قانون ہاتھ میں لینے پر مجبور کرتے ہیں"۔ ماہم تڑخ کر بولی تھی۔ اتنی مشکل سے اس نے ماسی ہاجرہ کو رپورٹ درج کروانے کے لیے منایا تھا۔ نوراں کو اس کے حق کے لیے آواز بلند کرنے پہ اکسایا تھا۔ اور تو اور تو خود کس قدر مشکل سے چھپ چھپا کر وہ تھانے آئی تھی۔ ابھی بھی سیاہ چادر پورے وجود پر لپیٹے۔ چہرے کو بھی کسی حد تک چادر کی اوٹ میں چھپائے ہوئے تھی۔ جو کہیں حویلی میں کسی کو خبر ہو جاتی کہ وہ اس وقت تھانے میں بیٹھی لوگوں کے حقوق کی جنگ لڑ رہی ہے تو شام ڈھلنے سے پہلے حویلی کے وسط مین اس قبر بن چکی ہوتی اور حقوق کی یہ جنگ ادھوری رہ جاتی۔

"محترمہ دقت کیا ہے۔ آپ عینی شاہد ہیں تو پھر آپ کیوں نہیں بن جاتیں گواہ"۔ زوار نے چونکتے ہوئے نکتہ اٹھایا تھا۔

"نہیں نہیں بی بی سائین گواہ کیسے بن سکتیں۔ یہ اونچی شان والی ہیں صاحب جی یہ تو ان کا بڑا پن ہے جو یہ ہمارے ساتھ ہماری ہمدردی میں یہاں تک چلی آئیں یہ گواہ نہیں بن سکتین غضب ہو جائے گا جی"۔ ملازمہ نے تڑپ کر مداخلت کی تھی۔ ماہم اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ غضب تو سچ میں ہو جانا تھا اگر وہ گواہی دیتی۔ غضب تو تب بھی ہو جانا تھا اگر اسکی یہاں آمد کا راز اور اسکی پہچان کھل جاتی۔

"ماسی ہاجرہ میں کر رہی ہوں نہ بات"۔ اس نے ملازمہ کو تنبیہ کرتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ معلوم نہیں وہ کس راز کے افشاں ہو جانے سے گھبرا رہی تھی۔ زوار نے بغور اسکی گھور سیاہ غلافی آنکھوں کی جنبش کو دیکھا اور محسوس کیا تھا۔ لرزتی ہوئیں لمبی گھنی پلکیں کسی راز کی غمازی تھیں۔

"غفور تم جاؤ۔ چائے بھجوا دینا اندر۔" اس نے خاموش مودب کھڑے انسپیکٹر کو باہر روانی کیا۔

اسے پولیس فورس میں آئے اتنا عرصہ تو گزر چکا تھا۔ اب وہ لوگوں کے تاثرات سے انکی اندرونی کیفیت کا اندازہ کر بخوبی

کرلیتا تھا۔ اس وقت بھی اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ وہ خواتین اس سے کچھ کہنا چاہتیں تھیں مگر نجانے کس خوف کے زیر اثر کہہ نہیں پارہیں تھیں۔

"دیکھیں اگر کوئی بات ہے تو آپ کھل بتا سکتیں ہیں مجھے۔ میں اس معاملے میں بالکل سنجیدہ ہوں۔ میری قومی بہن کی عزت کا معاملہ ہے۔ اگر کوئی راستہ ہے تو ہم مل کر کچھ سوچ سکتے ہیں"۔ وہ اپنے پروقار انداز بارعب لہجے میں انھیں تعاون کا مکمل اعتماد دلا رہا تھا۔

"ایکچیولی میرا تعلق یہاں کے پیرومرشد ولی شاہ غازی کے خاندان سے ہے۔ ہمارے ہاں عورتوں کو بلاضرورت باہر آنے جانے کی بھی اجازت مشکل سے ملتی ہے۔ ایسے میں میرا یہاں آنا علاقے کے کسی بھی فرد کے لیے باعث حیرت ہوگا۔ آپکو معلوم نہیں آپ تو نئے آئے ہیں۔ میں چاہ کر بھی گواہی نہیں دے سکتی لیکن میں چپ چاپ تماشائی بنی کسی کی زندگی اور عزت کا مذاق بنتے بھی نہیں دیکھ سکتی۔ آپ ہی بتائیے کیا کرنا چاہئیے۔ گواہ نہ ہونے کی صورت میں کیا مجرم کو کھلے عام جرم کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ تاکہ وہ سرعام اپنی من مانی کرتے ہوئے دوسروں کی عزتیں پامال کرسکے"۔ ماہم شدید جذباتی ہورہی تھی۔ زوار اسکو توجہ سے اسے سن رہا تھا۔ پوری بات سن کر مسکرایا تھا۔

"ہرگز نہیں مجرم کو ثبوت ہونے یا نہ ہونے دونوں کی صورت میں اسکے انجام تک پہچانا چاہئے۔ پہلے بھی کوئی نہ کوئی ایکشن ضرور لیتا۔ پر اب تو آپکی بہادری کے قصے نے بہت متاثر بھی کردیا ہے۔ اس لیے آپ بے فکر ہوکر جائیے ایف آئی آر ضرور درج ہوگی اور نوید ملک پر ہراسمینٹ کے بھی سارے چارجز لاگو ہوگے۔ جو کسی پر بھی اس کیس میں ہوتے ہیں"۔ وہ مضبوط لہجے میں کہتا ماہم کے اندر تک سکون کی لہریں اتار گیا تھا۔

وہ اپنی جدوجہد کے بدلے میں نصیب ہونے والی فتح پر اسی پل سرشار ہوئی۔ زوار حیدر اسکی مسکراتی آنکھوں سے اس کے دل کی حالت کا اندازہ کرسکتا تھا۔

"اور گواہ کہاں سے آئے گا"۔ ماہم نے پوچھا۔ تو جواب میں اسکی مسکراہٹ نہایت دلکش تھی۔

"سیاست سے جرم کرتے ہوئے مجرم پلان بنا سکتا ہے۔ تو جرم روکنے کے کے لیے ہم بھی پلان بنا سکتے ہیں ایسا پلان کے جس سے ٹھوس ثبوت فراہم ہو۔ بس آپ بے فکر ہوکر جائیے اور اپنی روٹین کو جاری وساری رکھیں باقی میں دیکھ لوں گا"۔ زوار کے یقین دلانے پر اسکا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہ مطمئین ہوکر تھانہ حاصل پور سے نکل کر اپنی منزل کی جانب رخصت ہوگئیں تھیں۔

جبکہ زوار حیدر کتنی ہی دیر تک بیٹھا۔ اسکی ساحر آنکھوں کی قید سے نکلنے کی کوشش میں ہلکان ہوتا رہا تھا۔ اسکی آنکھوں میں باتوں میں اک سحر تھا جس نے زوار کو کئی روز تک جکڑے رکھا تھا۔ اسکی سوچ کی پختگی گفتگو کا پریقین منفرد طریقہ اپنے حق کے لیے

بلا خوف وخطر لڑ مر جانے والا انداز، سب ہی کچھ نے زوار کو خوب خوب متاثر کیا تھا۔

وہ کراچی جیسے بڑے شہر سے آیا تھا۔ جہاں پڑھی لکھی روشن خیال لڑکیوں کی ہر گز کمی نہیں تھی۔ در حقیقت وہ لڑکی جس پسماندہ ذہنیت رکھنے والے خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ اس ماحول میں پرورش پانے کے باوجود وہ اسے کہیں سے بھی ڈری سہمی سی دکھائی نہیں دی تھی۔ اس پر سے جس دیدہ دلیری سے پولیس اسٹیشن میں کھڑے ہو کر وہ اپنے خیالات واحساسات کا اظہار کر رہی تھی۔ وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں تھی۔ تھانے میں بہت سے لوگ آتے تھے۔ مگر اکثر و بیشتر بڑے بڑوں کا لہجہ ملتجی ہوا کرتا تھا۔ جبکہ وہ کس قدر جانفشانی سے حکم چلا رہی تھی۔ گویا ان کے سرکاری ملازم اور عوام کے خدمت گزار ہونے کا ٹھیک ٹھیک تعین کر کے گھر سے نکلی ہو۔

اسکی بہت کچھ بولتی بڑی بڑی حسین آنکھیں سرخ وسفید رنگت لیے گلابی مائل چہرہ جسے وہ آدھا چادر کی اوٹ میں چھپائے ہوئے تھی۔ ہاں بس ایک بار بات کرتے کرتے اس کے ہاتھ سے چادر کا پلو سرکا تھا۔ اور وہ وہی پل تھا۔ جس نے زوار حیدر کے دل کے تاروں کو بری طرح سے چھیڑ دیا تھا۔ اس وقت تو وہ اپنی کیفیت پر قابو پا گیا تھا۔ مگر اس کے جانے کے بعد سے لے کر اب تک اسے کسی پل چین نہیں مل پا رہا تھا۔ وہ خوبصورت تھی۔ مگر ایسا نہیں تھا اس سے پہلے کسی حسین چہرے سے زوار کا واسطہ نہیں پڑا تھا۔ اس کے کالج یونیورسٹی میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین چہرہ تھا۔ مگر ماہم میں کچھ الگ سی کشش تھی۔ جو زوار کو اپنی او ور کھینچے چلی جا رہی تھی۔ اور وہ اونچا پورا 27، 28 سالہ بھرپور نوجوان بالکل بے بس ہو چکا تھا۔

اس سے وعدے کے عین مطابق زوار نے موقع واردات پر نوید ملک کو جا لیا تھا۔ وہ ہوش کھو کر کوئی تو بیوقوفی کریگا اس سوچ کے تحت چند ایک روز زوار نے خاموشی برتی تھی۔ مگر نوید ملک اور نوراں پر اسکے آدمی اسکے حکم کے مطابق ہر وقت نظر رکھے ہوئے تھے۔

ادھر نوید ملک آدھی رات کو نوراں کے گھر کے باہر پہنچا تھا۔ ادھر زوار کے آدمیوں نے اسے جا لیا تھا۔ نتیجتاً وہ اس کی حوالات میں بند تھا۔ اور اس کی ساری اکڑ اڑنچھو ہو چکی تھی۔ یہ خبر ماہم تک جونہی پہنچی تھی۔ کامیابی وسرخروئی کے احساس نے خوش کر دیا تھا۔ اسے زوار حیدر سے کچھ خاص توقع گو کہ نہیں تھی مگر اس کے دل میں کہیں نہ کہیں اتنا یقین تو تھا کہ وہ شخص جو اسے اتنے یقین سے یقین دلا رہا تھا۔ کچھ نہ کچھ اقدام تو ضرور ہی اٹھاتا۔ مگر وہ سیدھا نوید ملک کو جیل کی سلاخوں تک لے جائیگا وہ بھی اسقدر جلد اسکا اسے بحرحال اندازہ نہیں تھا۔

شام ڈھلی تو اماں ہاجرہ ماہم کے شکریے کا پیغام ہمراہ لیے ایک بار پھر سے پولیس اسٹیشن کے باہر کھڑی اسکی منتظر تھی۔ جونہی شام کا اندھیرا پھیلا تھا۔ وہ اپنی مخصوص سیاہ پجارو میں تھانے کے حدود سے باہر نکلا تھا۔ پہلے ہی موڑ پر اسے جانی پہچانی

سی خاتون رکنے کا اشارہ کرتی دکھائی دی تھی۔

"جی فرمائیں۔" وہ گاڑی اسکے قریب روک کر وہیں بیٹھے بیٹھے مسئلہ دریافت کر رہا تھا۔

"وہ جی میں نوراں کی اماں ہوں۔ آپ نے نوید ملک کو جیل بھیج کے ہم پر بڑا احسان کیا ہے جی۔ بہت بہت شکریہ آپکا۔ ہماری بی بی سائین نے آپکے لیے یہ بھیجا ہے"۔ تیز تیز بولتے ہوئے اماں ہاجرہ نے سفید تہہ شدہ کاغذ اسکی جانب بڑھایا تھا۔ جسے اس نے خاموشی سے بنا کوئی تاثر دیئے تھام لیا تھا۔ اماں ہاجرہ اسے خدا حافظ کہتی ڈھیروں دعائیں دیتی رخصت ہو چکی تھی۔ اور زوار اس کاغذ پر لکھی مختصر و سادہ تحریر کو پڑھ کر ایک بار پھر سے شدید شش و پنج کا شکار ہو چکا تھا۔

"آپ نے قانون سے مایوس ہونے سے بچانے کے ساتھ ساتھ مردوں کی ایک اور مختلف قسم سے بھی واقفیت بخشی ہے۔ آپکو شکریہ کہنا آپکے مقام اور جذبے کو بے وقعت کرنا ہو گا۔ بس یونہی سچ اور حق کے ساتھی بنے رہیے"۔

ماہم شیر ازی۔

جامع اور مختصر عبارت اس کے سامنے تھی۔ وہ اسکے الفاظ کو رات سونے تک بارہا پڑھ چکا تھا۔ لفظ وہی رہے تھے۔ مگر ہر بار ان جملوں کو پڑھنے کے بعد زوار کے دل میں نئی ہلچل پیدا ہوتی رہی تھی۔

اگلی صبح بڑی روشن تھی۔ دن بھر تھانے میں نت نئے لوگوں کے ساتھ سر کھپاتے گزرا تھا۔ جونہی شام کے سائے پھیلے آسمان کو گھور سیاہ بادلوں نے ڈھانپ لیا تند و تیز ہوائیں بدن کو چھوتی ہوئیں گزر رہیں تھیں۔ موسم سہانا تھا۔ وہ فراغت پا کر دریائے ستلج کے کنارے آن پہنچا تھا۔

گاڑی میں بیٹھا دور ہی سے گہرے خاموش پانی کو تکتے اسے تھوڑی ہی دیر گزری تھی۔ دل میں عجیب سی اضطراری کیفیت سر ابھارے ہوئے تھے۔ پتہ نہیں وہ اس وقت کہاں ہو گی۔ کیا کر رہی ہو گی۔ موسم کی سرمستی اس کے دل میں بے خودی و سرور کی کیفیت برپا کر رہی تھی۔ یونہی نگاہ گھمانے پر وہ ٹھٹھک کر رک گیا تھا۔ نگاہیں ایک جگہ منجمند ہو کر رہ گئیں تھیں۔ وہ پری وش، مہہ جبین جس نے اس کے دل کا چین پل میں چرا یا تھا۔

دریا کے کنارے کھڑی تھی۔ جی ہاں۔ یہ اسکا گمان یا وہم نہیں تھا۔ وہ سچ میں ستلج کے کنارے اسی سیاہ چادر میں لپٹی کھڑی اپنے ڈی ایس ایل کیمرے کی آنکھ کی مدد سے نہایت مہارت اور پر فیشنل انداز میں ارد گرد کے مناظر قید کرنے میں مصروف تھی۔ بارش کی بوندیں چھم چھم کر برسنے لگیں تھیں۔ ماہم نے اپنا مشغلہ ترک کر کے کالے سیاہ بادلوں کو آنکھ بھر کر دیکھا تھا۔ اسی اثناء میں حلیے سے اوباش دکھائی دینے والے چند لڑکے اس کے قریب آکر رکے تھے۔ زوار فوراً سے پہلے گاڑی سے اتر کر اس کی جانب بڑھا تھا۔ ان لڑکوں نے جانے ماہم سے کیا کہا تھا۔ ماہم نے بے سوچے سمجھے خود سے مخاطب ہونے والے لڑکے کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ

دے مارا تھا۔

وہ شدید غصے سے بے قابو ہو۔ ماہم پر جھپٹا تھا۔ مگر اس سے قبل کے اسکی رسائی ماہم کے نازک وجود تک ہو پاتی بیچ میں زوار آن کھڑا ہوا تھا۔ اگلے ہی پل زوار نے اسے گریبان سے پکڑ زور سے جھنجوڑ کر زمین پر پٹخا تھا۔

اسکے ساتھی زوار کی پولیس یونیفارم کو دیکھ کر خوف سے ہی بھاگ نکلے تھے۔ جبکہ وہ تنہا اب اسکے مکے ٹھڈے اور لاتوں کی زد میں تڑپ رہا تھا۔

"بیغیرتی کرتے اپنی مائیں بہنیں بیٹیاں یاد نہیں آتیں تمہیں۔ مردانگی کے نام پر دھبہ ہیں تم جیسے غلیظ مرد"۔ وہ آگ بگولا ہوا جا رہا تھا۔

"معافی مانگ میڈم سے اٹھ"۔ زوار نے کالر سے پکڑ کر اسے کھڑا کرتے ہوئے حکم دیا تھا۔ گھونسوں کی برسات اب بھی جاری تھی۔ ماہم دم سادھے کھڑی سارا تماشہ چپ چاپ دیکھ رہی تھی۔ اس غنڈے نما انسان کو زوار کے ہاتھوں بری طرح پٹتے دیکھ کر اسے یک گونہ طمانیت کا احساس ہوا تھا۔ بلاشبہ مردوں کی یہ قسم اسی لائق تھی۔ مگر زوار کی آنکھوں میں اسے شدید غیض و غضب کا لاوا دیکھائی دے رہا تھا۔ جو ماہم کے لیے کہیں نہ کہیں حیرت کی بات تھی۔ بھلا ایک انجان لڑکی کے لیے اتنی شدت سے کسی مرد کی غیرت کو ابلتے اس نے اس سے قبل کہاں دیکھا تھا۔

"معاف کر دیں جی غلطی ہو گئی"۔ وہ بھیگی بلی بنا اب اس سے معافی مانگ رہا تھا۔

"دفع ہو جاؤ اپنی منحوس شکل لے کر۔ اور آئندہ کسی بھی لڑکی کے سامنے کچھ بھی بکواس کرنے سے پہلے سو بار سوچنا ہر لڑکی بزدل اور کمزور نہیں ہوتی"۔ ماہم کے لہجے میں اس شخص کے لیے نفرت و کراہیت کے احساسات واضح تھے۔ زوار نے اسے اپنی گرفت سے آذاد کرتے ہوئے انگلی کے اشارے سے جانے کو کہا۔ تو وہ جان بچی سو لاکھوں پائے کے مترادف وہاں سے سرپٹ بھاگ لیا۔

"آپ اس وقت یہاں خیریت"۔ زوار اب فرصت سے اس کی جانب مڑتے ہوئے موسم کے بگڑے تیور اور ہر سو پھیل جانے والے اندھیرے کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ اس کی اس لمحے یہاں آمد کی وجہ دریافت کر رہا تھا۔

"بس موسم کی ادا کھینچ لائی ہے۔ سوچا تھوڑی سی آؤٹنگ بھی ہو جائے گی اور فوٹوگرافی کا شوق بھی پورا کر لوں گی۔" اس نے گلے میں لٹکے پرفیشنل کیمرے کی جانب اشارہ کیا تھا۔

"آپ سنائیں آپ جیسا خشک مزاج پولیس آفیسر اس قدر عاشق مزاج جگہ پر وہ بھی اس برسات میں کام کے سلسلے میں آئیں ہوں گے"۔ اس نے خود سوال اور خود ہی جواب والا معاملہ کیا تھا۔ زوار دھیرے سے مسکرایا تھا۔ بارش کن من برستی ان کو ہلکا

ہلکا بھگو رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوائیں ان کے وجود سے ٹکراتیں ان پر سردی کا لرزہ طاری کر رہیں تھیں۔ ایسے میں زوار کا ماہم کی سنگت میں دریا کے کنارے اس کے قدم سے قدم ملا کر چلنا کسی شاعرانہ تصور سے کم نہیں تھا۔

"ویسے جاننا چاہوں گا۔ آپ سے کس نے کہا ہم پولیس والے خشک مزاج ہوتے ہی۔" اس نے ساری بات میں بس یہی نکتہ اٹھایا تھا۔ وہ اس سے دو قدم کے فاصلے پر اسکی ہمراہی میں مین روڈ تک بڑھتا ہوا اسی کو مرکز نگاہ بنائے ہوئے تھا۔ جبکہ وہ لاپروائی سے یہاں وہاں تکتی اس سے محو گفتگو تھی۔ اسکی نگاہوں کی وارفتگیوں سے یکسر انجان۔

"یہ میرے ذاتی رائے ہے۔ پر میں اس میں غلط بھی ہو سکتی ہوں۔ ویسے آجکل پولیس والوں میں اگر کوئی کھرا ایماندار پولیس آفیسر مل جائے تعجب ہوتا ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے بہت سی کالی بھیڑوں میں کچھ آپ جیسے انسان بھی ہوتے ہیں اچھے اور سچے"۔ مجھے آپ سے اس اعلی کارکردگی کی توقع نہیں تھی۔ مگر آپ نے کر دکھایا"۔

"ارے ایسا بھی کونسا کارنامہ انجام دے دیا ہے میں نے۔ یہ تو بہت سے پولیس والوں کا روز کا کام ہے۔ ہمارا کام ہی مجرم کو پکڑنا اور جرم کا صفایا کرنا ہے۔ میں نوید ملک جیسے کءیوں کو کیفر کردار تک پہنچا چکا ہوں۔ البتہ اس بار خاص بات اگر کچھ تھی تو وہ۔ ایک لڑکی کا ہمت سے بھرپور اٹھایا گیا قدم تھا۔ جس نے کسی کی جان بچائی بھی اور کسی مکروہ چہرے کو اسکے انجام تک بھی پہنچایا"۔

وہ ماہم کے سراہنے پر سر خم کرتا عاجزی و انکساری سے بولا تھا۔ وہ دونوں اب سڑک کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ زوار نے رک کر ایک گہری نظر سے اسے دیکھا تھا۔

"آپ کو یوں تنہا اتنی سنسان جگہ پر وہ بھی اس پہر ہرگز نہیں آنا چاہیئے تھا۔ آئندہ احتیاط کرنے کی کوشش کیجیے گا۔" مبادہ اس سے پہلے وہ چلی جاتی۔ زوار نے اسے نصیحت کرنی ضروری سمجھی تھی۔ جواب میں ماہم نے جن شکوہ کناں نظروں سے اس کو دیکھا تھا۔ وہ کہہ کر پچھتایا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ جیسے پڑھے لکھے اور باشعور انسان کی سوچ بھی عام لوگوں کی طرح سطحی ہو سکتی ہے۔ بجائے یہ کے ان جیسے آوارہ اور گھٹیا لوگوں کو ان کے اس فعل سے بعض رکھنے کی تدبیر کی جائے۔ زمانہ عورت کو ہی غلط ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے۔ مگر ایک بات آپ بھی کان کھول کر سن لیں۔ عورت اگر خود کو کمزور سمجھنا چھوڑ دے تو وہ اندر سے بہت مضبوط ہے۔ یہ گلی میں پھرنے والے غیر تربیت یافتہ گھٹیا آوارہ مرد میرے لیے کتوں سے زیادہ کی اہمیت نہیں رکھتے۔ اور کتوں کے ڈر سے گھر میں قید ہو جانا میری نزدیک بیوقوفی اور اول درجے کی بزدلی ہے۔ اگر یہی معاشرہ غلط ہوتے ہوئے بھی نہیں سدھر سکتا تو پھر میں بھی اپنے صحیح اصول ان کے خوف سے ہرگز نہیں بدلوں گی"۔ اسکا تفصیلی جواب سن کر زوار کہیں نہ کہیں جی بھر کر شرمندہ ہوا تھا۔ تو کہیں اسے ماہم کی رائے اے تھوڑا بہت اختلاف بھی ہوا تھا۔

"کتوں کو ہڈی ڈال کر بھی آپ غلطی کریں گی۔ اصول وضوابط میں بھی سہولت دیکھ کر تبدیلی کر لینا بھی ایک بہت اچھا اصول ہے غور کیجئے گا میری بات پر۔"

وہ جانے کے لیے آگے بڑھ چکی تھی۔ زوار نے وہیں کھڑے کھڑے اسے پیچھے سے آواز دیتے ہوئے اپنا مدعا بیان کر ڈالا تھا۔ جبکہ وہ جاتے جاتے رک کر ایک بار پلٹی تھی۔ مگر پھر بنا کچھ کہے اس کے چہرے پر نگاہ ڈال کر چپ چاپ چلی گئی تھی۔ زوار اسے جاتے ہوئے دیر تلک وہیں کھڑا دیکھتا اور بارش میں بھیگتا رہا تھا۔ سردیوں کی بارش میں دیر تک بھیگنے کا نتیجہ یہ ہوا تھا۔ کہ اگلے روز وہ تیز بخار میں پھنک رہا تھا۔ نزلہ زکام نے الگ جان عذاب کر رکھی تھی۔ وہ سرکاری رہائش گاہ میں مقیم تھا۔ سرکاری ملازم بھی اس کی خدمت میں حاضر تھے۔ دو دفعہ جوشاندہ بنوا کر پینے کے بعد اس کی طبعیت کافی حد تک سنبھلی تھی۔ پچھلی رات بھی تکلیف میں گزری تھی۔ اس لیے اس نے مزید رسک لینے کی بجائے ڈاکٹر کو دکھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"فکر مت کریں ایس پی صاحب معمولی سی ٹھنڈ لگ گئی ہے۔ دوا پابندی سے استعمال کریں جلد صحت یاب ہو جائیں گے انشااللہ۔" ڈاکٹر کے کلینک پہنچ کر حالت زار بیان کی تو اس نے پرچے پر چند دوائیں لکھ کر اسے تھمانے کے ساتھ ساتھ تسلی بھی دی تھی۔ ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرتا وہ جونہی کلینک سے باہر نکلا اسکی ملاقات وقار شاہ ہوئی تھی۔ جو کراچی یونیورسٹی میں اس کے ساتھ پڑھتا تھا۔ سو دوستی بھی اچھی خاصی تھی۔

"ارے جگر تم یہاں حاصل پور میں کیا کر رہے۔ یہاں آئے اور بتایا بھی نہیں بھول گئے ہو تم تو ہمیں ایسے غائب ہوئے کے مڑ کر خبر ہی نہیں لی۔" وقار شاہ حیران ہوتا اس سے بغلگیر ہوتھا۔ ساتھ ہی اس نے شکوہ بھی کر ڈالا تھا۔ زوار تو خود اسے اتنے عرصے بعد اچانک اپنے روبرو پا کر حیرت زدہ تھا۔

"بس یار نوکری ہی کچھ ایسی ہے چاہ کر بھی بہت سے دوستوں سے روابط قائم نہیں رکھ سکا۔ اب تمہاری طرح زمین و جائیداد کا مالک تو ہوں نہیں۔ محنت کر کے خون پسینہ بہاتا یوں تب جا کر گزارا ہوتا ہے"۔ زوار نے جی بھر کر خود پر مسکینیت طاری کی تھی۔ مگر وقار شاہ کے تاثرات ظاہر کرتے تھے کے اس نے رتی بھر بھی اثر نہیں لیا تھا۔

"تمہاری غریبی میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ ضلع بہاولپور میں ایس پی کے فرائض انجام دیتے ہو اور پھر بھی غربت کے رونے رو کر توقع رکھتے ہو کہ تمہاری جان خلاصی ہو جائے گی۔ تو یہ تمہاری سوچ ہے اس بار تو تمہیں شکنجے میں پھانس ہی لیں گیں۔ فی الحال تم یہ بتاو حاصل پور میں کوئی ریڈ شیڈ مارنے کا منصوبہ ہے کیا"۔ وقار شاہ تجسس میں گھرا رازدانہ لب ولہجہ اپنائے ہوئے تھے۔

"یار اب یہاں کا انچارج بن چکا ہوں۔ تو تو مجھے جانتا ہے۔ ایمانداری میرا اصول ہے اور یہ اصول آجکل میرا امتحان بنا ہوا

ہے۔ جدھر جاتا ہوں چند مہینے بعد میرا ٹرانسفر کروا دیا جاتا ہے۔ بہاولپور سے بھی جلاوطنی کے آرڈر مل چکے ہیں۔ چند روز ہوئے ہیں یہاں آئے ہوئے۔ دیکھو یہاں کب تک ٹکتے ہیں"۔ شہر شہر پھرتے اسے بہت عرصہ ہو چکا تھا۔ اب تو اس کی طبیعت میں ایک بنجارا پن در آیا تھا۔ اگر کہیں زیادہ عرصہ خاموشی سے گزر جاتا تو اسکے اندر خود بخود ہی کھد بد مچنے لگتی تھی۔

"اوہ۔ تو تم ہی وہ نئے نویلے باکمال انسان جس نے نوید ملک کو نکیل ڈالنے کی ہمت کی ہے۔ ناک میں دم کر رکھا تھا اس نے بھی سارا علاقہ پریشان تھا اس سے"۔ وقار شاہ جیسے کچھ سمجھتے ہوئے ٹھٹھکا تھا۔

"کمال ہے یار جب سے یہاں آیا ہوں نوید ملک کی دہشت کے چرچے سن کر تنگ آ چکا ہوں۔ مجھے تو نہیں لگتا۔ اس میں اتنا دم خم ہے بھی جتنا سب سمجھتے ہیں۔ پچھلے ڈیڑھ ہفتے سے جیل میں بند پڑا ہے۔ چاہ کر بھی رہائی حاصل نہیں کر پا رہا۔ اس کے لیے کلبلاتے کسی پاورفل ہستی کو بھی نہیں دیکھا میں نے۔ وہ سنجیدگی سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے بے فکر دکھائی دے رہا تھا۔

"وہ اس لیے آجکل الیکشن سر پر ہیں۔ کوئی بھی رسک لینے کو تیار نہیں۔ چلو اچھا ہے چار دن وہ بھی جیل کی ہوا کھا کے ہو سکتا ہے۔ دماغ کچھ ٹھکانے آ جائے۔ خیر تم چھوڑو اس بات کو یہ بتاؤ گھر کب آ رہے ہو۔ اتنے دن ہو گئے تمہیں حاصل پور میں رہتے ایک مرتبہ بھی تم نے مجھ سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ بہت بری بات ہے یہ"۔ وقار شاہ نے گفتگو کا رخ ایک بار پھر اس کی جانب پلٹا تو وہ پھر سٹپٹایا۔

"چھوڑ بھی دو اس بات کو جانے دو۔ اور مہربانی کر کے اس بات کی بھی کوئی سزا تیار مت کر لینا اپنے شیطانی دماغ میں تم"۔ زوار اسکی چلبلی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا اس نے باقاعدہ ہاتھ ہی جوڑ ڈالے تھے۔ وقار شاہ کی پر اسرار مسکراہٹ بتاتی تھی کہ زوار شاہ کی فریاد کا اس پر مطلق اثر نہیں ہوا تھا۔

"ساری باتیں روڈ پر کرو گے کیا کل شام حویلی میں ملو مجھے اکٹھے کھانا وانہ کھائیں گیں۔ پرانی یادیں تازہ کریں گے۔ ویسے تم ڈاکٹر کے پاس کیوں گئے تھے۔ خیر ہے نہ۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے اپنی گاڑیوں کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔ وقار شاہ نے اسے کلینک سے نکلتے دیکھا تھا۔ اس لیے جانکاری کے لیے پوچھ لیا۔

"نزلہ زکام ہو رہا ہے ٹھنڈ لگ گئی ہے۔" زوار نے ٹشو پیپر سے ناک پونچھتے ہوئے بتایا۔

"چھوڑو تم پولیس والوں پر یہ ٹھنڈ کیا اثر انداز ہو گی۔ ہلکے پھلکے نزلے سے پولیس والوں کو کیا فرق پڑنے لگا"۔

وقار شاہ نے بات ہوا میں اڑائی تو وہ کھل کر مسکرا یا دیا۔ وہ آج بھی ویسا ہی تھا۔ لاپرواہ سا۔ خیر جو بھی تھا۔ سرا سر انجان علاقے میں کسی پہچان والے سے مل کر اس کی بوجھل طبیعت بہت حد تک سنبھل چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح کے پونے سات ہو رہے تھے۔ سورج کی کرنیں زمین پر پھیل چکیں تھیں۔ ماہم سو کر اٹھی تو بالکل تر و تازہ تھی۔ فریش ہو کر ایک کپ چائے بنا کر کچن سے نکلی تو سامنے ہی اماں جان کو نک سک سے تیار چادر اوڑھے کہیں جانے کے لیے بالکل تیار دیکھ کر ٹھٹھکی۔

"خیریت اماں سائیں۔ آپ اتنی صبح کہاں جا رہی ہیں"؟؟۔ اب اتنا سسپینس کہاں جھیلتی اس نے پوچھ ہی ڈالا۔

"ہاں خیر سے تمہارے بھائی کی شادی کی تاریخ پکی کرنے جا رہی ہوں"۔ وہ خوش ہوتی بتا رہیں تھیں۔

"پر اماں سائین اتنی جلدی کیا ہے۔ ابھی تو ماورا بمشکل سترہ کی ہوئی ہے"۔ وہ متفکر سی بولی۔

"نہ ہمارے خاندان میں شادی کے وقت پر عمریں کب سے گنیں جانے لگیں۔ اور یہ تم بھی اپنی سوچ کو زمین پر رکھنا سیکھو۔ تمہیں شہر بھیج کر پڑھا لکھا دیا ہے اسکا مطلب ہر گز یہ نہیں نکلتا۔ تم ہمیں سبق پڑھانے بیٹھ جاؤ اور کل شام کو تم کہاں تھیں" اسے گھر کتے ہوئے انھوں نے الٹا اسی سے تفتیش شروع کی تھی۔

"آپکو بتایا نہیں اماں ہاجرہ نے حویلی کے پچھواڑے گئی تھی۔ وہ جو نئے پودے لگائے تھے میں کھل گئے ہیں"۔ کمال جانفشانی و مہارت سے جھوٹ بولتی وہ اس کھیل کی پرانی کھلاڑی معلوم ہوتی تھی۔

"اچھا پر اب بہت ہوا۔ یہ سب اب اور نہیں چلے گا۔ امتحان کب کے ختم ہو چکے ہیں تمہارے۔ اب کچھ گھر داری سیکھو۔ عجیب فالتو کے شوق پال رکھیں ہیں۔" وہ اسکی جھاڑ جھپاڑ کرتیں اپنے مقصد کو پورا کرنے روانہ ہو چکیں تھیں۔

"لو بھئی ماورا بی بی بن چکیں تم ڈاکٹر۔" پیچھے کھڑی ماہم تاسف سے بڑبڑائی تھی۔ پھر کہے کے عین مطابق اماں سائیں وقار شاہ کی تاریخ اسکی پھوپھی زاد سے طہ کر کے ہی واپس لوٹیں تھیں۔ پھوپھی اماں اور پھوپھا جان کے سر سے تو جیسے کوئی ان چاہا بوجھ ٹل رہا تھا اسی مہینے کی تاریخ دے ڈالی تھی۔ اصولا تو ماہم کے اکلوتے بھائی کی شادی تھی۔ اسے جی بھر کر خوش ہونا چاہئے تھا۔ مگر اسے ماورا کے سپنے کرچی کرچی ہوتے دیکھ کر انتہائی افسوس ہو رہا تھا۔ ابھی چند روز پہلے ہی تو اسکا انٹر کا رزلٹ آیا تھا۔ اور وہ اس قدر خوش تھی۔ اس نے پورے کالج میں ٹاپ کیا تھا۔ مگر یہاں لڑکیوں کی چھوٹی چھوٹی خواہشوں اور خوشیوں کی کسے پرواہ تھی۔ ان کے خاندان کی نظر میں وہ تو بس مرد کی خدمت اور گھر داری سنبھالنے کے لیے بنی تھیں۔

"خوش ہو۔" رات کو اس سے فون پر بات کرتے ہوئے ماہم نے دکھ سے پوچھا تھا۔

"آپی مطمئن ہوں۔ ہمارے خاندان کا تو آپکو بخوبی اندازہ ہے۔ کسی بھی لڑکے کو بے جوڑ رشتے میں باندھنے سے قطعی گریز نہیں کرتے۔ وقار شاہ میں کم سے کم کوئی عیب تو نہیں اچھے پڑھے لکھے انسان ہیں سب سے بڑھ کر میرے کزن ہیں۔ اس سے بڑھ کر بھلا ایک لڑکی کو اور کیا چاہیئے ہوتا ہے"۔ وہ طنز کر رہی تھی یا پھر کسی کی پڑھائی ہوئی پٹی اسکے سامنے دوہرا رہی تھی ماہم سمجھ نہ

سکی۔ پر اس نے کوئی بحث کیے بغیر بجھے دل سے فون رکھ دیا تھا۔ لڑکی کی زندگی کو ہمیشہ ایک مرد پر منحصر کیوں قرار دیا جاتا ہے۔ کیا مرد سے آگے عورت کی کوئی زندگی نہیں کیوں مرد سے شروع ہو کر مرد ہی پر عورت کی ذات پہچان ختم ہوتی تھی۔ جب مرد اپنی ہر تمنا بے لاغ پوری کر سکتا ہے۔ تو کیوں حق نہیں ہے عورت کو خواہش کرنے کا۔ ان کے خاندان میں تو عورت ہمیشہ سے قدم قدم پر قربان ہوتی آئی تھی۔ اس کی قربانیوں کے ڈھیر پر ان کے مرد شان و تمکنت سے تخت سجائے بیٹھے تھے۔ ماہم کے اندر سونے سے پہلے تک اس قسم کے کئی سوالات کلبلاتے رہے تھے۔

سرد شام میں ہوائیں اٹھکیلیاں کر رہیں تھیں۔ موسم کے تیور ایک مرتبہ پھر سے بگڑتے معلوم ہو رہے تھے۔ زوار نے نے ایک بھرپور نگاہ نیلے آسمان پر جابجا بکھرے بادلوں پر ڈالی تو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لب آپ ہی آپ مسکرانے لگے۔ حسن کی لو میں چمکتا چہرہ اس کی ذہن کی اسکرین پر جگمگانے لگا تھا۔ پچھلی بار بھی وہ اسے بارش میں ملی تھی۔ زوار کو اس دن سے پہلے بارش کبھی اتنی اچھی نہیں لگی تھی۔ کاش وہ پری وش کہیں کسی کونے سے نکل کر اس کے سامنے آجائے آج بھی بے اختیار اس کے دل نے خواہش کی تھی۔ اور وہ پل اس کے لیے وہ قبولیت کی مبارک گھڑی ثابت ہوئی تھی۔ جس میں اس نے جو چاہا تھا۔ وہ پالیا تھا۔

جونہی وہ وقار شاہ کی حویلی میں گاڑی پارک کر کے مڑا تھا وہ اس بالکل سامنے ٹیرس پر کھڑی ابھی ابھی شروع ہوئی بوندا باندی سے اٹھکیلیاں کرتی دکھائی دی تھی۔ وہ مبہوت کھڑا اس کو بنا پلک جھپکے دیکھتا جا رہا تھا۔ ہر ملاقات میں وہ اسکے دل میں مزید سے مزید تر اترتی چلی جا رہی تھی۔ حتی کے اب زوار نے بے اختیار ہو کر اس سوچوں کو ذہن سے جھٹکنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ نجانے وہ کتنے لمحے یونہی دیوانوں کی طرح اسے تکتا رہتا کہ ماہم کی نگاہ اس پر آن پڑی تھی۔ اس کیگلابی گالوں پر بکھری مسکراہٹ یکدم سمٹی تھی۔ تو وہیں زوار بھی چونک کر خجل سا ہو کر رہ گیا تھا۔ اسی اثناء میں وہاں وقار شاہ آن پہنچا تھا۔ زوار پہلے ہی نظریں جھکا چکا تھا۔ ماہم بھی فوراً ہی کمرے کی جانب لپکی تھی۔ وہ دونوں مصافحہ کرنے کے بعد اب ڈرائنگ روم میں بیٹھے گپ شپ کرنے میں مصروف تھے۔

ماہم کا وقار سے کیا رشتہ تھا یہ جاننے کے لیے وہ اندر ہی اندر بے چین ہو رہا تھا۔ ماہم کا شجرہ نصب اتنے قریب سے جان کر زوار نے اسے اپنی دسترس سے بہت دور پایا تھا۔ اسکا دل بے تاب و بے قرار تھا۔ مگر وہ چہرے پر خوش اخلاقی کے تاثرات سجائے چپ چاپ بیٹھا تھا۔

"یار اب اجازت دو تم نے بہت اصرار کیا تو اس لیے کچھ وقت کے لیے آگیا تھا میں ورنہ نئی جگہ ہے۔ بہت مصروفیت ہے آجکل تم اب بس کھانا رہنے دو وہ پھر کبھی صحیح"۔ وقار شاہ نے اسے کھانے پر روکنے کے لیے اصرار کیا۔ تو زوار نے سہولت سے انکار کرتے ہوئے اس سے معذرت چاہی تھی۔ ساتھ ہی جانے کی اجازت بھی مانگ ڈالی۔

"کھانہ نہ صحیح چائے تو پی کر ہی جاؤ گے تم۔ خبر دار جو جانے کی بات کی ابھی ابھی تو آئے ہو کچھ دیر دل کا حال احوال تو جان لو۔" وقار شاہ نے سختی اور چاہت سے اس نے روکا تو وہ مسکرا کر بیٹھا رہا۔ وقار شاہ چائے کا پہلے ہی کہلوا چکا تھا۔ اس لیے پھر سے باتوں میں مشغول ہوا۔

"کیا ہوا تمہارے دل کے حال کو اچانک بڑی آہیں بھر رہے ہو۔ خیر تو ہے"۔ زوار بھی سیدھا ہو کر تشویشی انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"بس وہی جو تم ناچیز کا ابھی تک نہیں ہوا۔ شادی طے ہو گئی ہے میری وہ بھی اگلے چند دنوں میں"۔ اپنی جانب سے اس نے دھماکہ کیا تھا

"ارے واہ بہت بہت مبارک ہو۔ جناب تو یہ کھچڑی پک رہی ہے اندر ہی اندر میں بھی سوچ رہا تھا اتنی باچھیں کیوں کھل رہیں ہیں موصوف کی"۔ زوار کو جان کر سچ میں خوشی ہوئی تھی۔ وہ گرم جوشی سے بولا تو کمرے میں وقار کا قہقہ بلند ہوا تھا۔

"خیر اب ایسی بھی بات نہیں خوش ہوں پر ساتھ غم بھی ہے۔ آزادی اور تنہائی دونوں چھن جائیں گی۔ ویسے بھی عورتوں کو ہر وقت سوال جواب کے سوا آتا کیا ہے"۔ وہ نارمل انداز میں بولا تھا۔ پر زوار کو اسکا انداز کچھ عجیب سا لگا تھا۔

"خیر ایسی بھی کو بات نہیں یار۔ سوال جواب کے سوا بھی عورتوں نے دنیا بھر میں بہت سے میدانوں میں کامیابیوں کے جھنڈے گاڑے ہیں"۔ زوار نے سادہ سے لب و لہجے میں اسکی بات کو اپنے تئیں رد کر ڈالا تھا۔

"یہ بھی انگریزوں کے ایجاد کردہ چونچلے ہیں بس۔ بس تم چھوڑو اس ذکر کر کو بھی۔ کوئی کام کی بات کرو"۔ وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا نخوت و غرور سے یوں بولا تھا گویا وہ فضول موضوع پر بحث کر کے وقت کا ضیاع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لہجہ کچھ حد تک ہتک آمیز تھا۔ لیکن وہ اسے کیا کہہ سکتا تھا۔ اتفاق ہی تھا کہ اتنے عرصے میں ایک بار بھی یہ موضوع ان کے زیر بحث نہیں آیا تھا۔ ورنہ شاید وہ ایک دوسری کی منفرد سوچ کے پہلوؤں سے بہت پہلے ہی آگاہ ہو چکے ہوتے۔

"خیر انگریزوں کا مجھے نہیں پتہ البتہ عورتوں کے حقوق تو سب سے پہلے ہمارے ہی مذہب میں اجاگر کیے گئے تھے۔ مگر یہ ایک گھمبیر مسئلہ ہے میں اس بحث میں فی الحال نہیں پڑنا چاہتا۔ اس لیے تم بتاؤ کب بھیج رہے ہو شادی کا کارڈ۔" زوار نے سچ مچ اس بارے میں گفتگو موقوف کر دی تھی۔

"بس دو چار روز میں۔" وہ مونچھوں کو تاؤ دیتا کہہ رہا تھا۔

"ویسے سب دوست ہی کسی نہ کسی کھونٹے سے بندھ گئے ایک تم ہی ہو جو اب تک چھڑے چھانٹ پھر رہے ہو۔ چکر کیا ہے۔ کوئی نظر پر ٹکی نہیں یا پھر عشق میں زخم کھائے ہوئے ہو"۔ سوال ایسا تھا کہ زوار کے دل کے تار چھیڑ تا اسے کے لبوں پر

مدھم سی مسکراہٹ بکھیر گیا تھا۔

"کچھ کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ دل لگا بیٹھا ہوں پر معلوم نہیں انجام کیا ہو گا۔ عشق میں پڑ کر احساس ہوا ہے۔

"یہ عشق نہیں آسان بس اتنا سمجھ لیجئے اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے"

"واہ شہزادے ہم تو تجھے یونیورسٹی کے زمانے سے تجھے خوامخواہ پتھر دل سمجھتے آئے ہیں۔ پر تو تو بڑا عاشق مزاج نکلا"۔ وقار شاہ حیرت وخوشی کے ملے جلے تاثرات لیے کہہ رہا تھا۔

"پر قصور کہیں نہ کہیں تمہارا بھی تھا۔ یونیورسٹی کا سہانا دور تم نے خشک مزاجی کے ٹیگ تلے گزار کر ضائع کر دیا۔ وہی تو سہانا دور ہوتا ہے۔ بندہ کھل کر بیچلر لائف کا لطف اٹھا سکتا ہے۔ یاد نہیں تمہیں وہ اپنا کاشی ایک وقت میں دو دو سے سنگت تھی۔ اسکی وہ تو سب دوستوں نے مل کر اسکا بھانڈا پھوڑ دیا تھا۔ ورنہ تو کمینہ بڑا ماہر تھا اس گیم میں"۔ پرانی یادیں تازہ کرتے وہ دونوں ہی ماضی کی یاد میں کھو گئے تھے۔

"کاشف کا چھوڑو تم اپنی بات کرو۔ تمہاری تنزیلہ سے تمہارے مراسم اتنے بڑھ جائیں گے مجھے توقع نہیں تھی۔ یونیورسٹی میں تمہاری خاندانی دہشت ایسی پھیلی ہوئی تھی مجھے نہیں لگتا تھا تمہاری محبت سرے چڑھ پائے گی۔ تمہارے خاندان میں تو شادی بیاہ کہیں اور کرنے کا تصور ہی نہیں تھا۔ پھر کسطرح مانے گھر والے تمہارے"۔

"کہاں جناب! خاندان سے باہر شادی کرنا تو اب بھی سب کی رضامندی سے محال ہی ہے۔ اس لیے چپ چاپ سالوں پرانی منگیتر سے شادی کر رہا ہوں اور پھر خاندان سے باہر شادی کرنا ہمارے خاندانی وقار کے خلاف ہے۔ ہماری نسل اعلی خون سے ہی پنپتی ہے۔ اب وارث کی خاطر خاندان میں شادی کرنا میری مجبوری ہے۔" نہایت آسانی سے اپنے وچار اسے کے سامنے پیش کرتا وہ اسے حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔

"اور تمہارے دل کا کیا ہوا! وہ تو ہمیشہ سے تنزیلہ کے نام پر دھڑکتا تھا۔ بلکہ تم نے تو اس سے شادی کے وعدے بھی کر رکھے تھے"۔

"وعدے وفا بھی کیے ہیں۔ یار 2 سال سے وہ میرے نکاح میں ہے۔ دراصل کورٹ میرج کر لی تھی ہم نے۔ اب دل کی نہ مانو تو اسے بھی خاندانی رسموں کی طرح ٹوٹنے کا خدشہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اس لیے بیچ کا راستہ اپنا لیا میں نے۔" وہ سگریٹ سلگائے گہرا کش لگاتا ایک مرتبہ پھر سے اسے اچھنبے میں ڈال گیا تھا۔ دوست کی ایسی دوغلی پالیسی اور خود غرضانہ سوچ کے علم ہونے پر کچھ پل تو وہ رنج میں گھرا بول ہی نہیں سکا تھا۔

"مگر یہ زیادتی ہے وقار تنزیلہ کے ساتھ بھی۔ اور تمہاری ہونے والی بیوی کے ساتھ بھی۔ جسکے ارمانوں کا خون کرنے

جارہے ہو تم۔ تنزیلہ کو علم ہو تو اس پر کیا بیتے گی"۔

"تنزیلہ پر جو بھی بیتے گی کم از کم اس سے تو بہتر ہے۔ میں نے اسے اپنے خاندان کی خاطر چھوڑا نہیں۔" وقار اپنے کیے پر مطمئن تھا۔ مزید کسی بھی بحث میں مبتلا ہونے کی بجائے زوار نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ بحر حال یہ وقار کا نجی معاملہ تھا وہ اس میں زیادہ دخل اندازی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اتنے میں وقار کا فون بج اٹھا دوسری جانب شاید تنزیلہ ہی تھی چہرے پر خوشگوار سے تاثرات سجائے وہ فون کان سے لگائے باہر نکل گیا تھا۔ اسے گئے لمحہ بھر گزرا تھا۔ جب سیاہ چادر میں اپنا چہرہ چھپائے ماہم اندر داخل ہوئی تھی۔

"آپ یہاں گھر تک پہنچ گئے مجھے توقع نہیں تھی آپ اب اسطرح کی حرکتوں پر اتر آئیں گے۔" اس کے سر پر کھڑی وہ شدید مشتعل دکھائی دے رہی تھی۔ وہ جو اسکی آمد کی توقع بھی نہیں کر سکتا تھا ششدر سا اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب ایسے کیوں گھور رہے ہیں آپ نے کیا سمجھا تھا آپ میری جاسوسی کرتے میری حویلی میں گھس آئیں گیں اور مجھے پتہ بھی نہیں چلے گا اڑتی چڑیا کے پر گن لیتی ہوں میں"۔ ماہم نے جس وقت سے اسے حویلی میں دیکھا تھا۔ تب سے تلملا رہی تھی۔ اسے شک تھا کہیں وہ اسکے کارناموں کی فہرست وقار لالہ کو نہ سنا ڈالے اسی لیے بے چینی کے باعث وہ مردانے کے باہر چھپ کر کھڑی کان لگائے ان کی گفتگو سننے کی کوشش کرتی رہی تھی مگر وہ اس قدر آہستہ بات کر رہے تھے وہ کچھ سمجھ ہی نہیں پائی تھی۔ مردانے سے منسلک دو دروازے تھے ایک سے جونہی اس نے وقار خان کو باہر نکلتے دیکھا دوسرے دروازے سے وہ زوار کی خبر لینے اندر گھس آئی تھی۔

"دیکھیں آپ غلط سمجھ رہی ہیں ایسا کچھ نہیں ہے میں آپکا پیچھا کیوں کروں گا میں تو یہاں وقار سے ملنے آیا تھا"۔ وہ اپنے دل کی ابتر ہوتی حالت پر قابو پاتا اسے وضاحت دینا لگا۔

"کیوں آئے آپ وقار لالہ سے ملنے کہیں آپ ان کو اس روز والی بات بتانے تو نہیں آئے دیکھیں میں آپ کو صاف صاف بتا دوں اگر آپ نے ایسی کوئی بھی گری ہوئی حرکت کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا"۔ ماہم نے اپنے تئیں اسے دھمکایا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے اس انداز پر زوار کے لب مسکرانے لگے تھے۔

"دیکھئے آپ بے فکر رہیئے جو بات بیت گئی سو بیت گئی میں کسی کو نہیں بتاؤں گا اس بارے میں۔" اس نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"تو پھر یہاں کونسی جھک مارنے آئے ہیں آپ۔" وہ پورے طریقے سے مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

"وقار میرا دوست ہے ہم یونیورسٹی میں ساتھ پڑھتے رہے ہیں۔ وہ اچانک مل گیا تھا اس لیے گھر پر بلا لیا اس نے ورنہ ایسی

کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے کہا نہ آپ مجھ پر پورا بھروسہ کر سکتی ہیں۔" ماہم کے سختی لیے تاثرات اسکی یہاں موجودگی کی اصل وجہ جان کر ڈھیلے پڑے تھے۔

"اور میرے خیال سے اگر وقار یہاں آ گیا تو سیچویشن خاصی آکورڈ ہو جائے گی بہتر ہے آپ یہاں سے چلی جائیں۔" وہ جو ڈٹی ہوئی کھڑی تھی زوار کے مشورے پر ایک بھرپور نگاہ اس پر ڈالتی جس طرح اچانک آئی تھی۔ اسی طرح پل میں غائب ہو گئی تھی۔ پیچھے کھڑا زوار ایک بار پھر سے اس کے خیالوں میں ڈوب کر اپنی دلفریب آنکھوں میں اسکے سپنے سجانے لگا تھا۔ جو اسکی دسترس سے کوسوں دور تھی۔ ہفتے بھر سے زوار بے چین تھا۔ اسے دیکھ کر قرار آنے کی بجائے دل تو سر پھرے گھوڑے مانند ضد پر اڑ کی گیا تھا۔ مگر وہ نہ اس سے مل سکتا تھا نہ ہی اسے دیکھ سکتا تھا۔ اس نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ وہ بھی کسی لڑکی کی محبت میں اس طرح سے گرفتار ہو گا کہ گردونواح کی ہوش سے ہی ماورا ہو جائے گا۔ تھانے سے فارغ ہوتا سارا وقت بطور خاص اسی کے خوابوں خیالوں میں گم رہتا ایک طرف سے وہ اچھی طرح جان گیا تھا کہ وہ کبھی اسکی نہیں ہو سکتی تھی اس کو پانے کی آرزو حماقت کے سوا کچھ بھی نہیں تھی تو وہیں دوسری جانب دل اس حماقت کو کرنے پر پورے زور و شور سے اڑا ہوا تھا۔

تو وہیں دوسری جانب ماہم پر کچھ بننے کچھ کر گزرنے کا شوق جنون کی طرح سوار ہوتا جا رہا تھا۔ داخلے کب کے کھل چکے تھے مگر بابا جانی نے آگے پڑھنے سے اسے صاف اور سنجیدہ لہجے میں منع کر دیا تھا۔ اس نے دو ایک مرتبہ اصرار کیا تو ڈانٹ کر چپ کروا دیا گیا وہ شدید غیض و غضب کی شکار تھی۔ سارا دن حویلی میں پڑے پڑے دم گھٹنے سا لگتا تھا۔ مگر یہ اونچی چار دیواری کی قید تو اسکے مقدر کا حصہ بننے والی تھی۔ بابا سائیں اسکی شادی کو لے کر بہت عرصے سے اتاولے ہوئے جا رہے تھے۔ مگر خاندان بھر میں اسکے جوڑ کو کوئی رشتہ ہی نہیں تھا۔ مگر جوڑ توڑ تو کبھی پہلے بھی ان کے خاندان میں دیکھا نہیں گیا تھا۔ اس کی بڑی بہن جب محض سولہ سال کی تھی اسے چالیس سالہ رنڈوے اسکے باپ کے کزن سے بیاہ دیا گیا تھا۔ خاندان ہی میں بار ہا شادی کا نتیجہ یہ نکلا تھا۔ اسکے اوپر نیچے تلے ہونے والے دونوں بیٹے ابنارمل تھے۔ اسکا الزام بھی عورت کے سر منڈھتے ہوئے اس کے شوہر نے اسی خاندان کی گھر میں بیٹھی ادھیڑ عمر ثریا آپا سے تیسرا بیاہ رچا لیا تھا۔

اس کے باپ بھائی دونوں امرحہ شاہ کی زندگی کو تماشہ بنے دیکھتے رہے تھے۔ جبکہ ماہم کو لگتا تھا امرحہ کی زندگی برباد کرنے میں سراسر ہاتھ اسکے باپ اور بھائی کا تھا ماہم خود اس وقت بہت کم عمر تھی۔ کمزور تھی ورنہ اپنی باغیانہ طبعیت کے باعث وہ شاید بہن کے حق کے لیے لڑ پڑتی لیکن وہ کچھ نہیں کر پائی تھی۔ اب بھی جب وہ امرحہ کو ترس بھری نظروں سے تکتی تو وہ پھیکی سی مسکراہٹ اچھال دیتی حتیٰ کہ ماہم نے اس پر ترس کھانا بھی چھوڑ دیا تھا اسے لگنے لگا تھا اپنی اس حالت کی ذمے دار بہت حد تک امرحہ خود بھی تھی۔ امرحہ کے ساتھ جس نے جو بھی کیا تھا اسنے کرتے چلے جانے دیا تھا۔ جو عورتیں خود کو خود ہی بھیڑ بکریاں سمجھنا شروع کر دیں

ماہم کے پاس ان کی لیے ہمدردی بھی ختم ہو جاتی تھی۔

اس نے بنا کسی کو بتائے اپنے کیمرے سے لی گئیں چند فوٹو گرافز ایک کمپنی کی میل کر دیں تھیں۔ تو وہ فوٹو گرافر بننا چاہتی تھی۔ اس قید سے آزاد ہو کھلی فضا میں سانس لینا چاہتی اپنی زندگی اور اس دنیا کی خوبصورتی کی قریب سے دیکھنا چھونا چاہتی تھی۔ جو بحر حال حویلی میں رہ کر ہر گز ممکن نہیں تھا۔ مگر پھر بھی وہ مسلسل امید کا دامن تھامے ہوئے تھی۔

اس نے بڑی محنت سے چند بہترین کلکس کی ایک مکمل فائل بنائی تھی۔ اور ایک بہت اچھی ایڈورٹائیزنگ فرم کو بھیج دی تھی۔ جواب تاحال ندارد تھا۔ یوں بھی ابھی دو ہی دن روز گزرے تھے۔

کچھ گھر میں شادی کے ہنگامے بھی سر اٹھانے لگے تھے۔ وہ اس طرف مصروف ہو گئی تھی اماں سائیں شاپنگ کے سلسلے میں کراچی گئی ہوئیں تھیں۔ آج رات کو ہی لوٹیں تھیں یوں لگ رہا تھا گویا ساری مارکیٹ ہی اٹھا لائیں ہوں۔ چند ایک چیزیں اس کو بھی اچھی لگیں تھیں تو انھوں نے کہا جو تمہیں اچھا لگے وہ سب تم رکھ لو تمہارے وہ اس کے لیے بھی کافی کچھ لائیں تھیں سب نارمل ہی چل رہا تھا۔

لیکن مہندی کے روز وہ جونہی نک سک سے تیار ہو کر کمرے سے برآمد ہوئی اسے اسکی متوقع منگنی کی اطلاع امرحہ ہی نے پہنچائی تھی۔

"میری منگنی مگر کس سے اسطرح اچانک وہ اس غیر متوقع اطلاع کو سن کر چکرا کر رہ گئی تھی"۔

"امیر شاہ سے طے کیا ہے بابا جان نے تمہارا رشتہ، آج صرف انگوٹھی پہنائی جائے گی تمہیں مگر نکاح کی رسم جلد ہی کر دی جائے گی"۔ یہ اطلاعات اس کے گوش گزار کرتی امرحہ اسے احساسات و جذبات سے مکمل عاری محسوس ہوئی تھی۔ امیر علی پہلے سے شادی شدہ تین بچوں کا باپ تھا۔ مگر ماہم ہر گز بھی حیرت کا شکار نہیں تھی۔ یہ تو ان کے یہاں معمولی سی بات تھی۔ اگر لڑکی کا جوڑ نہ ملے تو اسے کسی سے بھی جوڑ کر چھٹکارہ حاصل کر لینا کارِ ثواب سمجھا جاتا تھا۔

وہ خاموش بت بنی صدمے سے چور چور جو ہوا تھا اسے ہوتا دیکھتا رہی تھی۔ ظلم و جبر کی حد تو یہ تھی امیر شاہ کی پہلی بیوی جو عمر میں اس سے کئی سال بڑی تھی ماہم کو انگوٹھی پہنا گئی تھی۔ ماہم پھٹی پھٹی نظروں سے اس عورت کا حوصلہ دیکھتی رہی تھی۔ اسے انگوٹھی پہناتے وقت اس کی ہونے والی سوتن اسکی دور دراز کی کزن انیلا امیر شاہ کی آنکھوں میں نمی جھلملاتی رہی تھی۔ وہ اپنی عمر سے بھی کئی گنا بڑی دکھائی دیتی اس عجیب سی عورت کو دیکھے گئی اسے ہر گز بھی اس پر ترس نہیں آیا تھا ایک عجیب سا احساس ابھرا تھا ماہم کے دل میں اس کے لیے جس میں غصے تھا اشتعال تھا۔ وہ کیسی عجیب عورت تھی تھی بھی یا پھر کٹھ پتلی تھی جو مرد کے اشاروں پر ناچتی چلی جا رہی تھی۔

اسے ہال میں موجود تمام تر عورتوں پر تعجب ہوا تھا جو عورت ذات کو یوں سر عام تماشہ بنے دیکھ کر بھی چپ تھیں۔ اور کچھ حد تک شاید مطمئن رات کو جب وہ اپنے کمرے میں لوٹی تو جیسے اسکا سکتہ ٹوٹا تھا۔ یہ اسکے ساتھ کیا ہونے چلا تھا یا پھر وہ کیا کر آئی، آج اسے احساس ہوا تھا محض باتیں کرنا آسان تھا مگر آگے بڑھ کے ہمت سے اپنے حق کے لیے آواز بلند کرنا جان جوکھم کا کام تھا۔ تو کیا وہ ڈر گئی تھی اس نے سوچا نہ تھا کہ قسمت کی مار اسے یوں بیچ منجدھار لا کر پٹخے گی۔ اس نے نہیں سوچا تھا مگر سوچنا چاہئے تھا۔ شاید اسے ہمیشہ سے یقین رہا تھا کہ اس کے ساتھ تو کچھ غلط نہیں ہو سکتا اور اس سے بھی زیادہ اسے خود پر یقین تھا وہ اپنے ساتھ کچھ غلط ہونے نہیں دے گی لیکن تقدیر کے ایک ہی وار نے اسکے تمام تر بھرم ریزہ ریزہ کر ڈالے تھے۔

وہ اتنے گہرے صدمے میں تھی کہ آنکھیں گویا پتھر کی ہو کر رہ گئیں تھیں۔ اپنے غم پر ایک اشک نہیں بہا پا رہیں تھیں۔ سوگ مناتے مناتے آدھی رات گزر گئی تھی جانے کس پہر اس کی آنکھ جا لگی تھی۔ کوئی زور زور سے چلایا تھا اس کی چیخوں میں بہت آہ و پکار تھی درد تھا سننے والا اسکی اذیت کی انتہا کو محسوس کر سکتا تھا۔

اسی پل ماہم کی آنکھ کھل گئی تھی کمرے میں اے۔ سی آن تھا مگر پھر بھی وہ پوری کی پوری پسینے میں شرابور ہو چکی تھی۔ اس نے خواب دیکھا تھا جو حقیقت سے خواب کا روپ دھار کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کے ذہن کے کسی خانے میں اپنی پرچھائی چھوڑ گیا تھا۔ وہ خوفزدہ سی گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی جب اس کی نظر سامنے صوفے پر سیدھی بیٹھی اپنی ہی جانب تکتی امرحہ پر جا رکی تھی۔

"آپا آپ یہاں اسوقت۔" وہ چونکی۔ امرحہ خاموشی سے اٹھ خرچ چاپ اس کے قریب چلی آئی تھی۔

"تمہیں کہانی سنانے آئی ہوں تم جب چھوٹی تھیں تمہیں کہانیاں سننے کا بہت شوق تھا نہ ماہم۔" وہ کسی ٹرانس میں بولتی اس کے روبرو آن بیٹھی تھیں۔

"اور پھر کہانیوں میں بھی تمہیں اس کالے کمرے کی کہانی جاننے کے بارے میں بہت تجسس تھا۔ میں جب بھی تمہیں سینڈریلا کی خوبصورتی بھری حسین خوابوں پر مشتمل کہانی سناتی تھی تم ہمیشہ ضد کیا کرتیں تھیں نہیں آپی مجھے وہ کالے کمرے والی پر اسرار خوفناک کہانی سننی ہے۔ پتہ ہے میں نے تمہیں تب وہ کہانی کیوں نہیں سناتی تھی۔" بولتے بولتے وہ توقف کے لیے رکی ماہم کارواں رواں کان بنا ہوا تھا۔ اس کو بے چین کر دینے والے اس خواب کا راز بھی آج اس پر افشاں ہو جانے والا تھا۔

"تم بہت چھوٹی تھیں میں تب نہیں چاہتی تھی تم ایسی دردناک کہانی سنو مگر میں غلط تھی میں نے تمہیں خواب دکھائے ماہم مگر جب خواب ٹوٹیں تو ان کا جو درد سینے میں چبھتا ہے اس سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔" اسکے لہجے میں اسکا دکھ بول رہا تھا۔ آنکھیں اشکبار تھیں۔

"وہ جو حویلی میں پچھلا کمرہ تھا نہ ماہم وہاں جہاں اک قبر کہ سوا کچھ نہیں بچا اب جہاں سے رات رات بھر چلانے کی آوازیں آیا کرتیں تھیں۔ اور ہم ڈر کے مارے بستر میں چھپ جایا کرتے تھے۔ جسے بابا سائیں اور اماں سائیں آسیب ذدہ بتاتے تھے۔ ماہم وہاں کوئی جن بھوت نہیں تھا۔ وہاں بغاوت رہتی تھی۔ اماں سائیں اور بابا سائیں ہمیں پچھلی طرف جانے سے روکتے تھے اس لیے نہیں کے ہمیں آسیب نہ چمٹ جائیں ہاں مگر اس لیے کہ کہیں ہم پر بغاوت کا سایہ نہ پڑ جائے۔" آنسوؤں سے تر چہرہ لیے کہتے کہتے امرحہ کی ہچکی بندھ گئی تھی۔

ماہم نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی پانی کی بوتل اٹھا کر اسکے حوالے کی کچھ دیر بعد جب اسکی حالت کچھ بہتر ہوئی تو ماہم نے اپنے خوف سے لرزتے دل میں ابھرتا سوال کیا۔

"آپا وہاں اس کال کوٹھڑی میں کون رہتا تھا؟"۔

"مایا رہتی تھیں وہاں مایا پھپھو۔" جواب جان کر ماہم ہق و دق رہ گئی تھی۔

"لیکن آپا کیوں مایا پھپھو کو سب نے وہاں کیوں جکڑ کر رکھا تھا اور اماں سائیں وہ وہ تو کہتی تھیں وہاں چڑیل رہتی ہے"۔

"نہیں ماہم مایا پھپھو چڑیل نہیں تھیں۔ بلکہ یہ سارا خاندان دیو تھا جس نے جیتے جاگتے انسان کو مٹی کی خوراک بنا دیا۔" امرحہ کے لہجے میں کھلی نفرت ماہم کو کسی اور ہی بات کا پتہ دے رہی تھی۔

"امرحہ آپا مگر ہماری اماں سائیں اتنی ظالم ہو سکتی ہیں میں نے کبھی سوچا نہیں سوچا تھا۔" ماہم چاہ کر بھی یقین ہی نہیں کر پا رہی تھی۔

"ایسی سفاک عورت ہرگز بھی ہماری ماں نہیں ہو سکتی ماہم اور یہ حقیقت ہے ہماری ماں بہت رحمدل تھی۔ اور شاید نیک انسان خدا کو زیادہ پیارے ہوتے ہیں جبھی انھیں جلدی اپنے پاس بلا لیتا ہے۔" یاسیت بھرے لہجے میں کہتی امرحہ ماہم شاہ کی آنکھوں پر بندھی جھوٹ کی ایک اور پٹی کھول گئی تھی۔

"مایا رومت صبر کرو میں تمہارے بھائی کو سمجھانے کی پوری کوشش کروں گی وہ اپنے فیصلے پر غور ضرور کریں گے تسلی رکھو۔" سبین زار و قطار روتی ہوئی مایا کو نہ جانے کتنی مرتبہ تسلی دے چکی تھیں جبکہ وہ ہر مرتبہ روتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیتی۔

"بھابھی صاحبہ آپ نہیں سمجھیں گی، آپکا نصیب تو بہت اچھا ہے لالہ آپکے ہم عمر ہیں پڑھے لکھے خوبرو نوجوان ہیں۔ اور تو اور آپ سے محبت بھی کرتے ہیں مگر ایسا نصیب لے کر اس خاندان ہر لڑکی پیدا نہیں ہوتی۔ آپکو تو خدا نے بیٹی کے بعد بیٹے سے بھی نواز دیا ہے۔ اور اب جب آپ تیسری مرتبہ امید سے ہیں۔ تب بھی لالہ آپکے آگے پیچھے پھرتے رہتے ہیں آپ کو کیسے میرے دکھ کی گہرائی کا اندازہ ہو گا"۔ مایا سبین کے ایسے نصیب پر رشک کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے دکھ پر ماتم کنا تھی۔

"مایا نو سال ہو گئے مجھے بیاہ کر اس گھر میں آئے ہوئے ہمیشہ میں نے تمہیں اپنی بہن نہیں سمجھا سچ سچ بتاؤ۔" سبین کو لاڈلی نند کی ایسی سوچ پر رنج ہوا۔

"ہاں تو بھابھی اپنی بہن کو کونسا بچا پائیں آپ دس سال کی عمر میں اسکا نکاح پڑھوا کر اس سے کئی سال بڑے آریز شاہ کو پڑھنے پردیس بھیجا ہے۔نہ۔ آپ کے مائیکے والوں نے وہ کیا کیا گل کھلا کر آئے گاوہاں سب جانتے ہیں۔ پھر بھی آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں کیونکہ یہ عشق و عاشقی تو بس ہم لڑکیوں کی لیے ہی ممنوع ہے نہ مرد تو آزاد ہے بھلے ایک سے چکر چلائے یا چار سے اسکا بس اتنا احسان مان لینا چاہیئے کے اس نے آپ سے نکاح کر کے آپکو اپنے گھر میں بندی بنالیا۔" قسمت نے زندگی میں جو تلخی گھولی تھی اسکا اثر مایا کی زبان پر بھی دکھائی دے رہا تھا۔

"اور بھابھی میں ایک بات صاف صاف بتا رہی ہوں۔ یہ نکاح میری لاش سے ہی ہو گا میں زہر کھالوں گی۔ مگر اپنی زندگی کی یوں دھجیاں بکھرنے نہیں دوں گی ساری عمر گھٹ گھٹ کر مرنے سے اچھا ہے میں ایک ہی مرتبہ آپ سب سے پیچھا چھڑا لوں۔" اس کے لہجے میں سب کا ٹکرا جانے کا جنون بول رہا تھا۔ سبین دہل کر سینے پر ہاتھ رکھے اسے دیکھنے لگیں۔

"مایا ایسا تو ہمارے خاندان میں ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے اور یاد رکھو جس جس نے خاندان کی ان رسموں سے بغاوت کی ہے۔نہ اس کا انجام ایسا گھناونہ ہوا سوچ ہے تمہاری اس لیے کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے سو بار سوچ ضرور لینا۔" سبین اسے سمجھانے کی ناکام سی کوشش کرنے لگیں۔

"بھابھی ایک 12 سال کے بچے کی بیوی بننے سے زیادہ اذیت ناک اور کونسا انجام چن سکتے ہیں آپ لوگ میرے لیے اور جب مر ہی جاوں گی تو کوئی کیا کر لے گا۔" وہ زہر خند لہجے میں بولتی سبین کو مزید پریشان کر گئی۔

"مایا تم جانتی ہو ہمارے خاندان کے مرد کیسے ہوتے ہیں۔ تمہارے بھائی بہت ہی پیار کرنے والے سہی مگر ان کے خاندانی جاہ جلال پر بات آئی تو وہ بھی انسان سے جانور بننے دیر نہیں لگائیں گے میں مجبور ہوں میں چاہ کر بھی تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔" وہ ہارے ہوئے لہجے میں اس سے مخاطب تھیں۔ مایا کچھ دیر ساکت بیٹھی بغور سبین کا چہرہ دیکھتی گئی اپنے لیے فکر کے جال اس کے ماتھے پر دیکھ کر وہ مطمئن سی ہو کر جیسے کسی نتیجے پر پہنچی تھی۔

"آپ میرے لیے بہت کچھ کر سکتی ہیں بھابھی خدا کے لیے میری زندگی بچالیں۔" اسکی دہائی کی بعد اس کی اگلی بات سن کر صحیح معنوں میں سبین کے ہوش گم ہو گئے تھے۔ مایا نے حاصل پور کے سرکاری سکول سے صرف میٹرک ہی پاس کیا تھا۔ اس کے بعد سے اسکی زندگی حویلی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ امرحہ تب تین سال کی تھی جب وقار پیدا ہوا تھا۔ اسی خوشی میں وجاہت شاہ مایا اور سبین سیر کروانے ناران لے گئے تھے۔ حویلی کے گھٹن زدہ ماحول سے نکل کر ان کھلی فضاوں میں وقت گزارنا مایا کو بہت اچھا لگ

رہا تھا۔ انھیں وہاں آئے تقریباً دوسرا روز جب موسلا دھار بارشوں کا آغاز ہوا تھا۔

امرحہ کو زکام ہو گیا تھا۔ وجاہت اور سبین مقامی کلینک تک گئے ہوئے وہ ریسٹ ہاوس میں اکیلی تھی۔ اس نے سوچا وہ ان کی واپس آمد تک باہر کا چکر ہی کیوں نہ لگا آئے اس سوچ کے دماغ میں آتے ہی وہ وہ باہر نکل آئی تھی۔ ابھی وہ ہوٹل کی لابی میں ہی پہنچی تھی کے سامنے سے آتے ایک نوجوان سے اس زور سے ٹکرائی کے لڑھک کر گرتے گرتے بچی تھی۔ وہ خوفزدہ تھی تو سامنے کھڑا خوبرو اجنبی شرمندہ تھا۔

"دیکھئے میں معافی چاہتا ہوں میں نے سامنے سے آتے ہوئے آپکو دیکھا نہیں آپ شاید باہر جا رہی تھیں"۔ ہراساں نظروں سے اس حسینہ کو اپنی جانب تکتے پا کر اس نے فوراً معذرت طلب کی تھی مگر مایا بنا وہاں رکے واپس ہوٹل کے اندر کی جانب بھاگ گئی۔

"ارے رکیے سنیے۔" وہ پیچھے کھڑا آوازیں دیتا رہ گیا تھا۔ مگر وہ تو ہوا پر سوار نجانے کس کونے میں گم ہو گئی تھی۔ اور شاہ زیب کتنی ہی دیر تک اسکی اس عجیب و غیریب حرکت پر غور کرتا رہا تھا۔ مایا تو کمرے میں جا کر خاصی مطمئن ہو گئی تھی۔ لیکن شاہ زیب اس کی ادا پر ہی غور کرتا رہا تھا۔

"یار کتنی عجیب سی حرکت تھی اس لڑکی کی تب سے اب تک ہزار بار آئینہ دیکھ چکا ہوں مگر میں کسی بھی اینگل سے ڈرائکولا نہیں لگتا۔" وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ٹرپ پر آیا ہوا تھا۔ دن میں ہوئے واقعہ کا تذکرہ اس نے ان سے بھی کر ڈالا تھا۔

"اچھا ہے نہ دوست تجھے بھی ہر لڑکی مسکراہٹیں اچھال اچھال کر دیکھتی ہے ایک آدھ تیری ڈراونی شخصیت کو پہچان کر بھاگ بھی گیا تو کیوں اتنا بے چین ہو رہا ہے کچھ زیادہ ہی خوبصورت تھی کیا"۔ عذیر کتاب پڑھنا چھوڑ چھاڑ کشمکش میں گھرے شاہ زیب کا حظ اٹھانے لگا۔

"تھی تو خوبصورت مگر تم جانتے ہو مجھے اس کی خوبصورتی نہیں اس کی معصومیت اس کی دو بڑی بڑی ہراساں نگاہوں نے الجھایا ہوا ہے۔ تم نے بھی اگر اسے دیکھا ہوتا تم بھی ہرگز یوں بیٹھے مذاق نہ اڑا رہے ہوتے۔" شاہ زیب انھیں کچھ زیادہ ہی سنجیدہ معلوم ہو رہا تھا۔

"یار ہو گی کوئی گھریلو ٹائیپ سیدھی سادی لڑکی ایسے اجنبی سے ٹکرا تھوڑا ڈر گئی ہو گی بیچاری۔ اب تم لوگ بال کی کھال مت اتارنا شروع ہو جاؤ اپنے پلان پر فوکس کرو کل ہمیں وادی تیرہ کے لیے روانگی پکڑنی تھی اور ایسی بارش میں اب ہم نہ آگے جا سکتے ہیں نہ واپس۔" اظہر کو انکا ٹاپک فضول محسوس ہوا تو اس نے گفتگو کا رخ بدلنا چاہا۔

"کرنا کیا ہے بس کل یہیں پر پھرتے پھراتے رہیں گیں ویسے بھی یہ علاقہ اتنا خوبصورت ہے زندگی یہاں گزار دی جائے تب بھی ان حسین نظاروں کو دیکھ دیکھ کر من نہ بھرے۔" شاہ زیب گہری سانس بھرتا ان سے خوش گپیوں میں مصروف ہو گیا تھا۔

مگر کہیں نہ کہیں دو خوفزدہ لرزتی پلکیں اس کی سوچوں پر قبضہ جمائے ہوئے تھیں۔

مایا اکیلے کبھی باہر نہیں نکلی تھی پہلی ہی مرتبہ ہمت مجتمع کر کے اس باہر کا رخ کیا تھا کچھ دل میں لالہ کا خوف تھا۔ تو دوسری ہی جانب پہلے ہی قدم پر اس اجنبی سے جا ٹکرائی تھی۔ خوف کی لہر پی دوڑ گئی تھی اس کے وجود میں اور عجیب حماقت کا مظاہرہ کرتی ہوئی وہ وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ مگر کمرے میں لوٹ کر اسے اپنی بیوقوفی کا اندازہ ہوا تھا مگر وہ دوبارہ سے باہر جانے کے بجائے منہ سجھائے وہیں بیٹھی رہی تھی۔

اگلے دن بارش برس رہی تھی مگر خطرناک راستے اب لینڈ سلائیڈنگ کی بدولت بند ہو چکے تھے ورنہ ان سب کا بھی آگے نیلم تک جانے کا ارادہ تھا۔ آج وہ سب بھی نک سک سے تیار پہاڑوں کی سیر نکلے ہوئے تھے اور دوسری جانب شاہ زیب بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ارد گرد ہی گھوم پھر رہا تھا۔ سبین دو گھنٹے کی خواری کے بعد اب تھک چکی تھی۔ تو وہیں کوئی اچھا سا کونہ پکڑ کر بیٹھ گئیں امرحہ اور وجاہت کچھ کھانے کے لیے لانے گیے تھے جبکہ وقار سبین کی گود میں سو رہا تھا۔ مایا اسے لوٹنے کا کہتی کافی آگے بڑھ گئی تھی۔

وہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑی بانہیں پھیلائے آنکھیں موندے ٹھنڈی تر و تازہ فضاؤں کو اپنے اندر اتارنے لگی تھی۔ خود کو ہر بندھن ہر قید سے آزاد محسوس کرتی مایا کو اصل میں آج احساس ہوا تھا۔ دنیا کے کسی بھی خوبصورت ترین احساس سے شخصی آزادی کا احساس ذیادہ دلفریب تھا۔ اس پل کے چھن جانے کیا حساس سے اس کے قدم ڈگمگائے تھے وہ شاید برے طریقے سے پہاڑ کی چوٹی سے کھائی میں جا گرتی مگر کسی نے بڑی مضبوطی سے اسکو اپنی بانہوں کے حصار میں تھام لیا تھا۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں سامنے وہی اس دن والا نوجوان کھڑا دلکش مسکراہٹ لبوں پر سجائے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ۔" اس کے لبوں میں جنبش ہوئی۔

"جی میں جس سے کل آپ اتنی خوفزدہ ہوئیں کی سرپٹ یوں بھاگیں ایک بار مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ ویسے کیا میں آپکو کالی بلی سے بھی ذیادہ خطرناک معلوم ہوا تھا؟۔ جو میرے راستے میں آجانے پر آپ نے اپنا ہی راستہ بدل دیا"۔ وہ اسے خود سے جدا کرتا بڑی بے تکلفی سے مخاطب تھا۔ وہ اس کی گفتگو پر جزبز ہوئی کل کی طرح خوفزدہ ہو کر بھاگنے کی حماقت بحرحال اس نے آج نہ دہرانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

"جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں مجھے ضروری کام یاد آیا گیا تھا۔" اس نے اپنی جانب سے معقول سا بہانہ گھڑا۔

"میرے چہرے پر ریمائنڈر سیٹ تھا کیا۔" اس کے جھوٹ سے شاہ زیب محظوظ ہوا۔

"خیر رات گئی بات گئی کوئی اور بات کرتے ہیں میرا نام شاہ زیب ہے میں سائیکٹرسٹ ہوں اپنے دوستوں کے ہمراہ یہاں آیا

ہوں۔"اس نے اپنا تعارف کروایا۔

"جی۔"مایا کے عجیب سے جواب پر ہنس دیا۔

"تعارف کے جواب میں تعارف دیتے ہیں جی نہیں کہتے۔"

"میرا تعارف میں تو حاصل پور سے آئی ہوں ہم خاندانی سید ہیں میرے لالہ حاصل پور کے گدی نشین ہیں"مایا کچھ سوچتے ہوئے بتانے لگی لالہ ہمیں یہاں گھمانے لائے ہیں۔شاہزیب کو وہ بہت سادہ سی لگی۔

"اور ہمیں میں کون کون آتا ہے۔؟؟"شاہ زیب نے سر ہلا کر سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"میں اور بھابھی۔"جواب مختصر تھا۔

"تو یعنی آپ تعویز دھاگہ بھی کرتی ہیں آپکے تو پھر بہت سے مرید بھی ہوں گے نہ۔"

"ہاں جی خیر سے ہمیں ہمارے بڑوں کی دعائیں ہمارے خاندان میں سب کے دم اور تعویز میں بڑا اثر ہے لوگ دور دور سے تعویز کروانے آتے ہیں ہم سے۔"وہ سادگی سے اپنے جوہر بیان کرتی بہت ہی معصوم لگ رہی تھی۔شاہ زیب نے بڑی فرصت اسے نگاہ بھر کر اسے دیکھا تھا۔

"ویسے آپ سے بات کر کے اندازہ ہو رہا ہے آپ اچھی خاصی معقول لڑکی ہیں پھر کل والی نامعقول حرکت میری سمجھ سے بالاتر ہے"۔اس نے کل والا تذکرہ نہ چاہتے ہوئے بھی دوبارہ سے چھیڑا تھا۔مگر اس سے قبل کے وہ جواب دیتی اس کی نگاہ دور سے آتے وجاہت پر پڑی تھی۔

""""لالہ آگئے۔"کہہ کر وہ سرپٹ بھاگی تھی۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔"وہیں کھڑے شاہزیب کے لب سکڑے۔وہ بہت حد تک کہانی کے رخ سے آگاہ ہو چکا تھا۔اسے ان کے خاندانی جاہ و جلال رسم و رواج سے متعلق کافی حد تک اندازہ تو تھا ہی بیچاری لڑکیوں کو کیسا سہا کر رکھتے ہیں اسے سچ میں ہی تاسف نے آن گھیرا تھا۔

اس رات دوستوں کے ہمراہ مل کر انھیں نے ہوٹل میں چھوٹی سی میوزک پارٹی رکھ لی تھی۔جسکا انویٹیشن ہوٹل میں موجود سب ہی افراد کو پہنچا تھا۔وہ بہت اچھا گٹارسٹ تھا۔اوپر سے آواز میں بھی خاصہ سر تھا لوگ اس کی آواز میں گیت سن کر شور وغل مچاتے اسے داد پیش کر رہے تھے۔وجاہت نہیں جانا چاہتے تھے مگر سبین اور مایا نے بڑی منت سماجت سے اسے راضی کر لیا تھا۔

شاہ زیب نے مخصوص براؤن چادر اوڑھے اس لڑکی کو ایک کونے میں چیئر گھسیٹ کر بیٹھتے دیکھ لیا تھا اس کے ساتھ اس کی

فیملی تھی۔ اسی لیے شاہ زیب نے اس کی طرف بڑھتے اپنے قدموں کو روک لیا تھا۔

"آپ کون سا گیت سننا پسند کریں گی، میڈم آپ کسی گیت کی فرمائش کرنا چاہیں گی۔" ویٹر کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"نہیں کوئی ضرورت نہیں۔" وجاہت نے ناپسندیدہ نگاہوں سے ویٹر کو یوں گھورا وہ بیچارہ چپکا ہو کر وہاں سے کھسک گیا۔ وہ لوگ کچھ ہی دیر وہاں بیٹھے تھے۔ چند گیت سنے اور پھر ڈنر کر کے فوراً ہی رخصت ہو گئے۔

اگلے دن موسم بڑا خوشگوار تھا راستے اب کافی حد تک بحال ہو چکے تھے۔ وجاہت سو کر نہیں اٹھے تھے سبین امرحہ کو تیار کر رہی تھی مایا کو شدی بھوک نے ستایا تو وہ اکیلی ہی ریسٹورینٹ ایریا کی جانب ناشتہ کرنے چل دی۔ بھرپور ناشتے سے انصاف کرنے میں مشغول تھی۔ جب شاہ زیب بے تکلفی سے آکر سامنے والی کرسی پر بیٹھا۔

"آپ کو اعتراض تو نہیں ہو گا اگر میں آپکو جوائن کر لوں۔" مایا نے ٹھٹھک کر اسے دیکھا پھر کچھ بھی کہے بنا جلدی جلدی ناشتہ ختم کرنے لگی۔

"آرام سے کر لیں آئی سوئیر میں کچھ بھی چھین کر نہیں بھاگوں گا۔" اپنی جانب سے شاہ زیب نے مذاق کیا تھا۔ مگر مایا نے خاصی ناپسندیدہ نظروں سے اسے گھورا تو وہ سنجیدہ ہوا۔

"موسم بہت بہتر ہو چکا ہے پہلے سے اس لیے میں اور میرے دوست آگے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں ہم کل آج شام کو ہی نکل جائیں گیں"۔

"سوچا ایک بار آپ سے ملاقات کر لی جائے آپ سے اچھی دوستی ہو گئی ہے نہ اس لیے"۔

"ہماری دوستی کب ہوئی ؟؟؟۔" مایا منہ کھولے حیرت سے بولی۔

"لیجیئے آپ تم سے ہم پر آگئیں اور اب بھی کہتی ہیں دوستی کہاں ہوئی۔ آپ نے اپنے بارے میں اس دن اتنی تفصیل سے بتایا تھا۔ اب ہر کسی سے تو آپ اپنی ذاتی باتیں شئیر نہیں کرتی ہوں گیں نہ ظاہر ہے میں خاص ہی ہوں گا آپ کے لیے"۔ وہ پوری خوداعتمادی میں گھرا اس کی آنکھوں میں جھانکتا کہتا جا رہا تھا۔

"اور ہاں یہ آخری ملاقات نہیں ہے میں جانے سے پہلے شام کو آپ سے ایک بار مزید ملنا چاہتا ہوں۔ سمجھیں میری زندگی موت کا سوال کا ریسٹ ہاؤس کے کے پیچھے جو گارڈن ہے ٹھیک چھ بجے وہاں ملوں گا آپ سے۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"دیکھیں اگر میں نے آپ سے دو چار باتیں کر لی ہیں اچھی طرح۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں آپ مجھ سے بلاوجہ کے رشتے جوڑنا شروع ہو جائیں میں نے کبھی کسی لڑکے سے دوستی نہیں کی اور آپ کو کیوں لگتا ہے آپ کہیں گیں اور میں آپ سے ملنے چلی آؤں گی۔" مایا نے اپنی جانب سے اس کی طبعیت ٹھیک ٹھاک ہی صاف کر ڈالی تھی۔

"دیکھیں مجھے لگتا ہے آپ ایک انتہائی ہمدرد طبعیت کی مالک ایک اچھی انسان ہیں اور آپ ہی نے تو کہا تھا کہ آپ تعویز دھاگہ کرتی ہیں میرا بھی کچھ ایسا خاص مسئلہ ہے میں آپ سے تعویز کروانا چاہتا ہوں آپ مجھے غلط مت سمجھیں"۔مایا بھی اب اٹھ کر کھڑی جانے کو پر طول رہی تھی جب اسکی بات پر متوجہ ہوئی۔

"کس کے لیے کروانا ہے آپ کو تعویز اور کیوں۔؟"

"دراصل ایک لڑکی ہے میں اس سے بہت محبت کرنے لگا ہوں۔ حالانکہ میں نہیں چاہتا میرا دل بے اختیار ہو جائے مگر اب تو کچھ نہیں ہو سکتا مگر وہ لڑکی ہے کہ اسے کچھ کہنے سے ڈر لگتا ہے مجھے لگتا ہے وہ انکار کر دے گی آپ بس کوئی ایسا تعویز لکھ دیں کہ وہ مجھے کسی صورت انکار نہ کر سکے"۔وہ انتہائی رقت آمیز لہجے میں اسے اپنے دل پر رقم داستان سنا رہا تھا۔مایا سوچ میں پڑ گئی اس پل تو وہ بنا کچھ کہے چلی گئی تھی۔

مگر مایا کے دل میں عجیب ہی کھد بھد سی مچ گئی نیا نیا ملا وہ اجنبی آنکھ میں ٹھہر سا گیا تھا اور کہیں نہ کہیں اسے بھی لگا تھا کہ شاہ زیب بھی اس میں دلچسپی دکھا رہا تھا مگر وہ تو کسی اور سے ہی دل لگائے بیٹھا تھا۔شاہ زیب خوبرو نوجوان تھا ہر لحاظ سے ایک بہترین مرد لگا تھا۔اسے کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتا تھا وہ ذہن میں آتے الٹی سیدھی سوچوں کو ڈپٹتی وہ شام اس سے ملنے باغیچے میں عین وقت پر جا پہنچی تھی وہ پہلے سے کھڑا وہاں اسکا منتظر تھا۔

"یہ لیجئے آپکا تعویز اسے مٹھی میں دبا کر آپ جس سے جو بات بھی کریں گیں فیصلہ آپکی حق میں ہو گا انشااللہ۔"اس نے سفید تہہ شدہ کاغذ اسے تھمایا تو وہ دلفریب سی ہنسی ہنس دیا۔وہ جانے کے لیے پلٹی تو شاہ زیب نے بڑی جرات سے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا۔مایا سٹپٹائی مگر شاہزیب کی حدت دیتی نظروں نے اسے کسی ٹرانس میں کھینچ لیا تھا۔

"تم نے مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا مگر اپنا نام نہیں بتایا تمہارا نام تو جان ہی سکتا ہوں نہ۔"

"مایا نام ہے میرا۔"مدھم آواز میں بتایا گیا۔

"مایا بہت خوبصورت نام ہے۔"شاہ زیب نے تعریف کی۔

"مایا مجھے تم سے پہلی نظر میں پیار ہو گیا تھا۔ مگر تم سے بار بار مل کر چند دن تمہارے قریب رہ کر مجھے لگ رہا ہے جیسے قدرت ہمیں یہاں ایک دوسرے سے ملانے ہی لائی تھی۔ کیا تم میرے بارے میں ایسا کچھ نہیں محسوس کرتی؟۔"شاہزیب کے لہجے میں محبت کی چاشنی گھلی ہوئی تھی کچھ اردگرد کھلے پھولوں نے ان کے احساسات کو مزید ابھارا تھا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا شاہزیب ہماری خاندانی رسم ورواج اس سب کی اجازت نہیں دیتے مجھے۔"کہتے ہوئے مایا کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں تھیں۔

"اور تمہارا دل وہ کیا کہتا ہے۔" شاہزیب نے اسکا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں تھام کر اس سے پوچھا تھا۔ مایا کتنے ہی پل اسے دیکھے گئی تھی اس دن محبت نے رسموں کی ایک زنجیر کو اپنے قدموں تلے روند کر بغاوت کی تھی۔ اپنے انجام سے بالکل انجان وہ محبت ایک دوسرے سے میلوں دور کا سفر طے کرتے ہوئے بھی قطرہ قطرہ ایک دوسرے کے دل میں اترتی چلی جا رہی تھی۔

شاہ زیب چلا گیا تھا اگلے ہی دن وہ لوگ بھی مزید وہاں رکے واپس حاصل پور چلے آئے تھے۔ مایا پر ہر وقت ہی بے کلی بے تانی سی چھائی رہتی تھی۔ جس دن چھپ کر ٹیلی فون پر شاہزیب سے بات ہو جاتی وہ دن سارا دن مایا اکیلے ہی میں مسکراتی رہتی تھی اسکے والدین تو کئی سال پہلے ہی اس دار فانی سے کوچ کر گئے تھے۔ بس بھائی بھاوج کا ہی ساتھ تھی۔ سب ٹھیک تھا مگر پھر اچانک سے خاندان کے جرگہ اور وجاہت شاہ کے فیصلے نے اس کی زندگی میں تباہی مچا دی تھی۔

مایا کا دکھایا گیا راستہ اتنا خوفناک تھا سبین اس رات سو نہیں پائی تھی۔ اگلے دو دن بھی اسی کشمکش میں گزر گئے تھے۔ ایک دو بار اس نے انکار کرنا بھی چاہا تھا تو مایا کی امید بھری نظروں کے جوت بجھ جانے کے خوف نے اسے روک دیا تھا سبین ایک نرم دل انسان ہونے کے ساتھ ساتھ مایا سے سچ میں بہت محبت کرتی تھی۔ سبین یہ بھی جانتی تھی کہ اسکی مدد کے بنا مایا حویلی سے ہرگز نہیں نکل سکتی تھی۔ مگر شوہر کی عزت کی حفاظت کرنا بھی اسکی ذمے داری تھی وہ دونوں جانب سے ہی پس رہی تھی۔

آج عشاء کی نماز کے بعد سبین نے خصوصی دعا کی تھی۔ کہ خدا اسکو سیدھا راستہ دکھائے اس کی مدد کرے اور بے شک اللہ نہایت احسان کرنے والا ہے۔ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے بس سبین کو اسکا راستہ مل گیا تھا۔ مایا کو جونہی سبین نے شاہ زیب کو حاصل پور بلانے کے لیے کہا تھا اس نے فوری اسے فون کر کے سب کچھ بتا دیا تھا۔

شاہ زیب نے فوراً وہاں سے نکلنے کی اطلاع دی تو وہ دونوں ہی مطمئن ہوئیں۔ اگلے ہی دن وہ آ چکا تھا۔ سبین نے اپنی خاص الخاص مریدنی کے گھر پر ان کے نکاح کا انتظام ٹھہرایا تھا۔ وہ ہرگز بھی اللہ کی حدود و قیود کی حد کو لانگ کر بنا کسی جائز رشتے کہ مایا کو شاہزیب کے ہمراہ رخصت کرنے نہیں سوچ سکتی تھی۔ وہ جس وقت رات کے اندھیرے میں اپنے اپنے حق کی جنگ لڑنے نکلیں تھیں۔ عین اسی وقت نوریہ سبین کی پھپھی زاد حویلی کی ڈگر پر گامزن تھیں ان کی گاڑی کو ویران علاقے کی طرف مڑتے اس نے دیکھ لیا تھا۔ تجسس نے سر ابھارا اور شیطان نے اپنا کام کر دکھایا۔

مایا کا نکاح پڑھوا کر اسے اللہ کی امان میں سونپ کر سبین مطمئن تھی۔ کم از کم وہ کسی ظلم میں سانجھیدار نہیں ہوئیں تھیں۔ انھیں الوداع کہہ کر وہ جلدی سے رخصت ہوئی تھی دن کی سفیدی پھیلنے سے قبل اسے حویلی پہنچنا تھا۔ وہ اس بات سے قطعی انجان تھی جو بات چھپانے کے لیے وہ بے چین تھی وہ اب تک پوری طرح سے عیاں ہو چکی تھی وہ گھر پہنچی تو نوریہ صوفے پر بڑی شان و تمکنت سے براجمان تھیں۔ سبین کا سانس سکھ کر رہ گیا حلق میں کانٹے سے اگ آئے تھے۔

"آپا آپ یہاں۔" اس نے اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"ہاں میں یہاں تم کہاں تھی یہ میں ہر گز نہیں پوچھوں گی کیونکہ وہ تو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ آئی ہوں کیسے تم نے حویلی کی شان و تمکنت کو چھوٹی ذات کے پرائے مرد کے حوالے کر دیا۔" نوریہ زہر خند لہجے میں بولی تھیں۔

"سبین یہ جو میرے بالوں میں بڑھتی ہوئی سفیدی ہے نہ صرف تمہاری وجہ سے میں سہاگن نہیں بن پائی۔ صرف تمہاری وجہ سے تم نے وجاہت کو اپنے عشق میں ایسا گرفتار کیا کہ اس نے مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ اور میں آنکھوں میں سپنے سجائے بیٹھی رہ گئی مگر نہیں اب نہیں اب تمہاری بربادی ہو گی صرف تمہاری"۔ حسد جلن نفرت کیا کچھ نہیں تھا نوریہ کے لہجے میں سبین کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے تھے۔ وہ کوئی جواب دیتی ہی مگر حویلی کی پچھلی جانب سے اک شور غل برپا ہوا تھا جسے سن کر نوریہ نے اسے استہزائیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ جبکہ سبین چکرا کر رہ گئی تھی وہ چاہ کر بھی اس جانب قدم نہیں بڑھا پائی تھی وہ جانتی تھی اب وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی بدلنے کی بہت سی کوششوں کے بعد بھی مایا کی تقدیر بدل نہیں پائی تھی۔

اس پار مایا کہ ساتھ کیا سلوک ہو رہا تھا شاہزیب کا کیا ہوا تھا وہ نہیں جانتی تھی وہ جاننا چاہتی بھی نہیں تھی اسکے جسم میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں تھیں یوں بھی اسکا نواں مہینہ چل رہا تھا۔ پریشانی نے اسکو نڈھال کر دیا تھا وہ لڑکھڑا کر زمین بوس ہوتی چلی گئی تھی۔ نوریہ کو اس پر زرا ترس نہیں آیا تھا۔ وہ چلاتی رہی تھی بلکتی تڑپتی رہی تھی مگر وہاں اس کی سننے والا کوئی نہیں تھا۔ ڈاکٹر بہت دیر سے پہنچی تھی۔ اس دن ماہم پیدا ہوئی تھی۔ بہت زیادہ خون بہہ جانے کے باعث سبین کی زندگی ختم ہو گئی تھی۔

6 سال کی امرحہ 3 سالہ وقار کو سینے میں چھپائے ہر ہر ظلم کو اپنی ذہن کی سکرین پر محفوظ کرتی رہی تھی۔

شاہزیب کو وجاہت شاہ نے گاؤں کی حدود سے باہر نکلنے والے راستے پر جا لیا تھا۔ اپنی پستول میں موجود تمام کی تمام گولیاں اس کے سینے میں اتار دیں تھیں۔ اور اس کی لاش وہیں کہیں ایسی دفنائی کہ اسکا کوئی سراغ تک نہیں ملا تھا۔ مایا کو زنجیروں میں جکڑ کر کال کوٹھڑی میں ڈال دیا گیا تھا۔ وہ ساری ساری رات چلاتی رہتی تھی اس کی چیخوں ماہم اور امرحہ دونوں کو اپنے کانوں میں سیسے کی مانند اترتی محسوس ہوتیں تھیں۔ خاندان کے باہمی فیصلے کے نتیجے میں صرف چالیس روز بعد نوریہ کا نکاح وجاہت شاہ سے کر کے اسے اس حویلی کی ملکہ بنا دیا گیا تھا۔ وہ بیوی تو بن گئی تھی مگر وجاہت سے محبت پانے کی تمنا تمنا ہی رہ گئی تھی وہ سالوں گزر جانے کے بعد بھی سبین کو نہیں بھولے تھے۔

نوریہ نے گھر سے سبین کی ساری تصوہریں اتروا دی تھیں۔ اسکا ذکر ذکر ممنوع بنا ڈالا تھا۔ حتی کے امرحہ کے سوا وقار اور ماہم آج تک اپنی سگی ماں سے واقف ہی نہیں تھے۔ کچھ خدا نے کی بے آواز لاٹھی نے نوریہ کو ماں بننے کے سکھ سے تا عمر کے لیے محروم رکھا تھا۔ یہ ہی وجہ تھی۔ اس نے وجاہت کے بچوں کو دل سے اپنا لیا تھا۔ مگر مایا اس کی چیخیں اسکی دن بدن ہوتی ابتر حالت اب

ایک معمہ بنتی جارہی تھی۔ اس نے خاندان کی عزت کو دھبہ لگایا تھا۔ اسے تاعمر قید کی سزا دینا بھی خاندان کا فیصلہ تھا۔ کئی سال گزر گئے تھے موت بھی شاید مایا کا امتحان لینے پر تلی ہوئی تھی۔

ایک رات وجاہت ہاتھ میں شیشے کا گلاس تھامے پتھر بنے اس کے کمرے میں شاید سالوں کے بعد ہی داخل ہوئے تھا۔ وہ جو کبھی لاڈلی بہن تھی اب ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئی تھی۔ بکھرے بال میلا کچیلا باس ذدہ لباس کالی پڑتی رنگت وہ کہیں سے بھی انھیں اپنی مایا نہیں لگی تھی۔ وہ جھک کر اس کے قریب بیٹھ گئے تھے۔ بنا ایک لفظ کہے انھوں نے گلاس مایا کی جانب بڑھایا تھا وہ اپنی کمزور پڑتی نظروں سے انھیں کتنے ثانیے دیکھتی رہی تھی۔

"مجھے آزاد کرنے آئے ہو نہ تم۔" اس نے قہقہ لگایا تھا۔ "دیکھا مجھے پتہ تھا تم مجھے آزاد ضرور کرواو گے تم میرے لالہ ہو نہ تم اتنی دیر سے کیوں آئے ہو۔" وہ ذہنی توازن بھی کئی حد تک کھو چکی تھی۔ وجاہت کو اندازہ ہوا اگر بات غیرت پر آئی ہو تو مرد کا دل کبھی نہیں پسیجتا۔ مایا نے اب اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے گلاس تھام لیا تھا۔ اور گھونٹ گھونٹ کر کے پیتی چلی جارہی تھی۔ وجاہت خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گیا تھا۔

اس رات کے بعد سے وہ مردہ دل زندہ وجود ایک لاش میں تبدیل ہو کر اسی کال کوٹھڑی میں قبر کا روپ دھار گیا تھا۔

"آپا مایا پھپھو مر کر بھی اس قید سے آزاد نہیں ہو پائیں ان کی قبر کا ٹکڑا بھی اسی حویلی کے حصے میں ہی بنایا گیا اس سے بڑی سزا تو واقعی کوئی نہیں ہو سکتی۔" ماہم کی ماں اور پھپھی کے غم پر رو رو کر سوجھی متورم آنکھیں سراپہ سوال تھیں۔

"شاید آپا آپ اسی لیے ڈر گئیں آپ نے اپنے حق کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا اور ظالم پتھر لوگوں کی فرسودہ رسموں کی بھینٹ چڑھ گئیں آپ۔" وہ امرحہ کے سینے سے لگی بلک بلک کر رو رہی تھی۔ مگر امرحہ مٹی کی مورت بنی یک ٹک دیوار کو دیکھے جارہی تھی۔

"کیا آپ نے مجھے یہ سب اس لیے بتایا تاکہ میں بھی آپ ہی کی طرح ان مردوں کے بیچ کھلونا بن کر عمر گزار دوں۔" ماہم شکوہ کناں نظروں سے اسے تکتی اس سے جدا ہوئی تھی۔ امرحہ نے دوپٹے کے پلو میں چھپائی ایک تصویر نکال کر ماہم کے سامنے لہرائی۔

"یہ ہماری ماں ہماری طاقت ہے ماہم۔ میں کبھی تمہیں بزدلی کا سبق نہیں دوں گی۔ میں نے اپنے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا ماہم کیونکہ تم اکیلی رہ جاتیں تمہارا کیا ہوتا میں نے اپنی ماں سے اپنے پیاروں کے لیے قربانی دینا سیکھا ہے۔ خود غرضی میری ماں نے مجھے کبھی ورثے میں دی ہی نہیں"۔ یہ سب کہتی امرحہ ماہم کو خود سے عمر کے ساتھ ساتھ رتبے میں بھی کئی گنا بڑی دکھائی دی وہ بول ہی نہیں سکی تھی۔ جس بہن کو بیوقوف بزدل سمجھ کر وہ کوستی رہتی تھی اس پر ترس کھاتی اسے سے ہمدردی کرتی تھی وہ اس کے

لیے اپنی زندگی تیاگ دے گی اس نے سوچا تک نہیں تھا۔

"ماہم یہ روایتیں یہ ظلم بربریت یہ سب تم بدل ڈالو تم زندگی میں کچھ بننا اپنا ایک الگ مقام بنانا۔ ماہم ایک اچھی بھرپور خوشیوں بھری زندگی گزارنا۔ مایا پھپھو کے حصے کا پیار کرنا ہماری ماں کے حصے کا نام شہرت مرتبہ کمانا اور۔" وہ پل بھر کو کہتے ہوئے رکی اسکی آنکھوں میں جھانکا۔

"میرے حصے کی ساری خوشیاں سمیٹ لینا ماہم وعدہ کرو تم یہ سب سچ کر کے دکھاؤ گی۔" اسکا ہاتھ تھامے امرحہ نے قول مانگا تو ماہم نے سر کو ہاں میں ہلکی جنبش دے ڈالی۔ امرحہ نے چھوٹے سے ہینڈ بیگ میں نوٹوں کی موٹی موٹی کئی گڈیاں اور زیورات ڈال کر اسے دیئے تھے۔ اسکا موبائل ڈھونڈ کر اسے تھمایا۔

"آج کے بعد تمہیں یہ موقع شاید دوبارہ نہ ملے آج مہندی ہے لالہ کی بہت سے مہمان آئے ہیں مردانے میں۔ کسی کی بھی گاڑی کو جائے پناہ سمجھو ماہم اور رکو۔" اسے رکنے کا کہہ کر امرحہ کہیں چلی گئی تھی واپس لوٹی تو اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا پسٹل تھا۔ اسے اپنے پاس رکھو اپنی حفاظت کے لیے اور ہاں کچھ بھی ہو جائے ڈرنا مت خدا تمہارے ساتھ ہے۔ بس ہمت سے کام لینا امرحہ نے کس کر سینے سے لگا کر اسے آخر ہدایت دی تھی۔

"آپا میں آپکا احسان کسطرح اتاروں گی۔" ماہم کو اندازہ ہی نہیں تھا کوئی اس کے لیے اتنا سب کر گزرے گا۔

"یہ احسان نہیں ہے یہ ہم سب کے حقوق کی جنگ ہے ہم باغی ہیں اور بغاوت میں کبھی مات ہوتی ہے اور کبھی موت یاد رکھنا۔" امرحہ نے تردید کی۔

"آپا وہ جو ہمارے باپ کی بیوی بن کر بیٹھی ہے نہ نیچے وہ ہماری ماں کی اور مایا پھپھو کی خوشیوں کی قاتل ہے میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔" ماہم نے اٹل لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا.

"ماہم بدلہ وحساب لینے والی ذات اللہ کی ہے کبھی بھی خدا کی حد کو پھلانگنے کی کوشش مت کرنا منہ کے بل گرو گی۔" امرحہ نے اسے ڈرایا۔ ماہم نے لب سی لیے ہر حال میں اس نے بھی اللہ کی فرمانبرداری ہی سیکھی تھی۔ امرحہ اسے وہاں اکیلے چھوڑ کر جا چکی تھی۔ اور اب ماہم نے حویلی پر آخری نگاہ ڈال کر اپنی منزل کی جانب پہلا قدم بڑھایا تھا۔ وہ قدم جس نے اس کے ساتھ ساتھ کسی اور ذی روح کی بھی پوری کی پوری زندگی کو بدل ڈالا تھا۔

زوار وقار شاہ کے بے حد اسرار پر اس کی مہندی میں شریک ہوا تھا۔ رات گئے تک وہاں محفل اپنے عروج پر تھی۔ زوار کو وقار کی اس بے حسی نے عجیب سی کیفیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ جسے وہ خود بھی کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا۔

"کیا ماہم کو بھی کسی دن یوں ہی خاندان کی آن شان کی بلی پر چڑھا دیا جائے گا۔" ذہن میں یہ سوچ کلاوے بھر رہی تھی۔ وہ

معذرت کرتا وہاں سے وقت سے پہلے ہی اٹھ آیا تھا۔ گاڑی سٹارٹ کرنے سے پہلے اس نے ایک مرتبہ مڑ کر کھڑکی سے باہر سامنے نظر آتی ماہم کی بالکونی کی طرف آس بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ جہاں مکمل اندھیرا تھا۔ اور اس کے کمرے کی کھڑکی پر بھی پردہ گرا ہوا تھا۔ آنکھوں میں جلتی لو ماند پڑی تو وہ ضبط کی آخری حدوں کو چھوتا گاڑی زن سے بھگا لے گیا تھا۔ وہ حویلی سے نکل کر ابھی پکی سڑک پر ہی پہنچا تھا۔ جب اسے اپنی پشت پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ وہ شاید اس سے پہلے ہی بھانپ لیتا مگر اس کی ذہنی حالت اسوقت انتہائی کشیدگی کا شکار تھی۔

فوراً حرکت میں آتے ہوئے گاڑی پر بریک لگا کر وہ نہایت مہارت سے پیچھے لپکا تھا۔ پیچھا موجود وجود اپنے کانپتے ہاتھوں سے اس پر پستول تانے ہوئے تھا۔ زوار نے ایک ہی جھپٹے میں اسکی گن اپنے قبضے میں کر لی تھی۔ نتیجتاً اب وہ زوار کے نشانے پر ماہم تھی۔

"گولی مت چلانا میں ماہم ہوں۔" اپنے نقاب میں چھپے چہرے کو اس پر عیاں کرتے ہوئے وہ خوف میں گھری بولی تھی۔ زوار کا تنا ہوا وجود یک لخت ہی ڈھیلا پڑا تھا۔

"آپ یہاں اسطرح سے کیا کر رہی ہیں"؟؟؟ زوار کا حیرت میں ابھرا سوال فطری تھا۔

"میں آپ کو سب بتاؤں گی۔ مگر پلیز یہاں سے چلیے آپ اگر ہم پکڑے گئے تو بہت برا ہو گا آپ جانتے نہیں آپکے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور میرا کیا حشر کر دیں گے یہ لوگ۔" ماہم نے اسے ڈراتے ہوئے اس سے وہاں سے فوراً نکلنے کی اپیل کی تھی۔ زوار اس کے اس قدم پر الجھا ہوا تھا۔ مگر وہ اپنی اور اسکی سیچویشن کا اندازہ بخوبی لگا سکتا تھا اس نے گاڑی وہاں سے بھگانے میں ہی عافیت جانی تھی۔ وہ اب کافی دور نکل چکے دریائے ستلج کا ٹھاٹھیں مارتا پانی پل پر لگی زرد روشنیوں کی بدولت اندھیرے کے باوجود دور سے ہی صاف دکھائی دے رہا تھا۔ زوار کب سے خاموش اس کے بولنے کا منتظر تھا اور وہ تھی کہ لب سیے بیٹھی ہوئی تھی۔ ستلج کے پل پر گاڑی آہستہ کی اور پھر روکتے ہوئے گردن پیچھے گھما کر اسے دیکھا۔

"گاڑی کیوں روک دی آپ نے؟" ماہم گھبرائی۔

"یہ گاڑی یہاں سے ایک انچ آگے نہیں بڑھے گی جب تک کہ میں تمام تر واقعات تفصیلاً نہیں جان لیتا۔" زوار نے اٹل لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"آپ اسوقت میری پناہ میں ہیں اور میری ذمے داری ہیں۔ میں نے آپ کو پناہ دے دی ہے مگر اب آپ کا فرض بنتا ہے۔ آپکو مجھے تمام حقیقتوں سے آگاہ کرنا ہو گا۔ ہو سکتا ہے میں بہتر طریقے سے آپ کی مدد کر سکوں۔ آپ بے جھجھک مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہیں آپ ہمیشہ مجھے اپنا خیر خواہ پائیں گیں۔" وہ سے یقین دلا رہا تھا ماہم اسے بولنے پر آمادہ دکھائی دی تھی۔

"میں ماہم وجاہت علی شاہ ہوں اور میرا یہ نام جو شاید فخر اور سکون کا باعث ہونا چاہیئے تھا۔ میرے پیروں کی زنجیر بنتا چلا گیا

آپ کو شاید علم ہو ہم خاندانی سید ہیں ہمارے خون میں کسی قسم کی ملاوٹ نہ ہو اسی لیے ہم اپنوں کا خون خود ہی بہا ڈالتے ہیں۔ یہ اونچی حویلی یہ نام عزت مرتبہ بکا سب نسلوں کی سسکیوں آہ و پکار ان کے ناسور بنتے زخموں سے رستے ہوئے لہو سے سینچا گیا ہے۔" وہ سر جھکائے یوں کہہ رہی تھی۔ گویا سارا قصور اسی کا ہو ماہم کو تو یوں بھی اس سب میں اپنا اور اپنے جیسوں کا قصور نظر آتا تھا۔ کیوں مظلوم ظالم کے ظلم کو روکتا نہیں ہے۔ مایا اور سبین پر بیتی سن کر اسے ترس نہیں آیا تھا اسے تو ان پر پیار آیا تھا۔ فخر ہوا تھا۔ ان میں غلط کے خلاف جانے کی طاقت نے ماہم کو پھر سے جی اٹھنے کی ہمت دی تھی۔

"آج خاندانی بکا کا مدعا ایک مرتبہ پھر اٹھا تو کسی نے ماہم شاہ کو سولی چڑھانے کا فیصلہ پڑھ سنایا تھا۔ مگر میں وہاں ان سب کے منہ پر کالک تھوپ کر بھاگ آئی ہوں کیونکہ وہ اسی کالک کے لائق ہیں۔ بنا جرم کے سولی چڑھنا بھی میرے نزدیک گناہ کے زمرے میں آتا ہے یہ تو خودکشی ہوئی۔" ماہم کے انداز و اطوار اس کے لب و لہجے میں ہر آن پیچھے چھوٹ جانے والوں کے لیے نفرت تھی زہر تھا. زوار کو اندازہ تو پہلے ہی ہو چکے تھا مگر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کے دل میں اٹھتے واہموں کو اتنی جلد عملی صورت پہنانا تھا کوئی وہ اس کی زبانی اس کی کہانی سن کر گہری سوچ میں ڈوب چکا تھا۔

"میں اپنی آزادی اپنے حقوق کی جنگ لڑ رہی ہوں۔ اس جنگ میں میں اکیلی ہو کر بھی تنہا نہیں ہوں میری مری ہوئی ماں کا شفقت بھرا سایہ ہے مجھ پر میری بہن کی زندگی اس کی میرے لیے دی گئی قربانیوں کا بوجھ ہے۔ میرے سر یہ عورت کی جنگ ہے اس معاشرے کی فرسودہ رسم و رواج سے اس میں مجھے کسی مرد کے سہارے کی کوئی توقع نہیں ہے۔ آپ نے مجھے یہاں پہنچا کر بھی مجھ پہ احسان کیا ہے میں ہمیشہ آپکی قرض دار رہوں گی۔ کبھی زندگی میں ضرورت پڑی آپکو تو مجھے یاد کر لیجئے گا۔ میں چلتی ہوں۔" اس کی خاموشی سے ماہم نے اندازہ لگایا شاید وہ ڈر گیا تھا اور مزید اس کے ہمراہ چلنے اسے کترا رہا تھا۔

وہ تو اس بات سے یکسر ہی انجان تھی زندگی کی رہ گزر پر اگر کوئی ہر پل ہو مشکل ہر لڑائی میں اسکے ساتھ تھا۔ تو وہ صرف ایک وہ ہی خص تھا۔ جو اس کے سامنے کب سے دل ہارے نگاہیں فرش راہ کیے اسکا منتظر تھا۔

وہ گاڑی سے اتر کر دو قدم ہی چلی تھی جب زوار نے اسکا ہاتھ تھام کر اسے روک لیا تھا۔ وہ کرنٹ کھا کر پلٹی تو وہ پیچھے کھڑا آنکھوں میں چاہت کے دیپ جلائے کھڑا تھا۔

"آگے کا کچھ سوچا ہے تم نے کہاں جاؤ گی۔ کیا کرو گی کیسے رہو گی۔ یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔ مگر یقین جانو اپنی زندگی کو کسی بھی خوف میں گھر کر داؤ پہ لگا دینے سے بہت بہترین راستہ ہے۔" ماہم کی نظریں تو بس اس کے ہاتھ پہ جمی ہوئیں تھیں۔ زوار نے نہایت نرمی سے اسکی کلائی تھام رکھی تھی۔ اسکا محسوس کر نانوٹس کرتے ہی اس نے فوراً ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

"آپ کہاں جانا چاہتیں میں آپکو بحفاظت آپ کی منزل تک پہنچانا اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا"۔

"میں مجھے نہیں معلوم میں کہاں جاؤں گی۔"ماہم پریشان دکھائی دی۔

"کوئی تو ہو گا آپکی کوئی دوست یا کوئی ایسا انسان جس کے پاس آپ جاسکیں رہ سکیں جو بھروسے کے لائق ہو۔"زوار نے کریدا۔

"نہیں میں کسی بھی دوست یا جاننے والے کے پاس نہیں جاسکتی۔ میری صرف ایک ہی دوست ہے اسے سب جانتے ہیں۔ باباسائیں وقار لالہ فوراً مجھے ڈھونڈ لیں گیں میں 1٪ بھی رسک نہیں لے سکتی مجھے اب پلٹ کر کبھی حویلی نہیں لوٹنا میری منزل میرا راستہ حویلی کو پھلانگنے سے شروع ہوتا ہے۔ اور میں اپنے رستے پر چل کر اپنی منزل کا تعین کرنا چاہتی ہوں واپس حویلی والوں کے ہتھے چڑھ کر اس زندان میں اپنے وجود کو کچی مٹی کا ڈھیر نہیں بننے دوں گی"۔ اس کی آخری بات پر زوار ٹھٹھکا تھا۔ لحظہ بھر کو وہ اپنے اور اس کی بیچ کھڑی اجنبیت کی اونچی اونچی دیواروں کو یکسر بھول کر اس کی جانب بڑھا تھا وہ سیاہ چادر لپیٹے اس کے عین روبرو کھڑی اپنی ہی سوچوں کی دلدل میں کہیں پھنسی ہوئی تھی۔ اس کے سادہ و معصوم چہرے پر آج قرب اضطراب اور فکر کی پرچھائیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ کہیں نہ کہیں وجہ جانتا تھا اور کچھ نہ کچھ اس کی دلی کیفیت سے آگاہ بھی ہو چکا تھا۔

اندھیری رات میں دریا کی لہروں پہ نظریں ٹکائے پل کی ایک جانب کھڑے اپنی اپنی سوچوں میں غرق رہنے کے بعد جیسے الگ الگ نتیجے پر پہنچے تھے۔

"میں بہاول پور جانا چاہتی ہوں کسی بھی ہاسٹل میں رہ لوں گی۔"فیصلہ سنانے میں پہل ماہم نے کی تھی۔ زوار نے فوراً نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی بات کی تردید کی تھی۔

"یہ کسی حماقت سے کم نہیں ہو گا ماہم آپ حویلی کی چار دیواری سے باہر نکل کر بھیڑیوں کی دنیا میں قدم رکھ چکی ہیں۔ ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہو گا آپکو اگر آپ سچ میں کامیابی کے دہانے پر پہنچنا چاہتیں ہیں۔ تو میرا مشورا مانیں آپ بہاولپور جانا چاہتی ہیں ضرور جائیں مگر ادھر ادھر بھٹکنے سے بہتر ہو گا آپ میری فیملی کے ساتھ رہ لیں میری آپا اور میرے بابا بہاولپور میں رہتے ہیں آپ بے جھجھک ان کے ساتھ رہ سکتی ہیں اگر آپکو کوئی اعتراض نہ ہو تو"۔ زوار کے لیے تو وہ اسکی اپنوں سی اپنی تھی۔ کس طرح وہ اسے در در بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتا اس کی آفر ایسی تھی جس نے ماہم کو اس بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا۔

"مگر میں کسی پر بوجھ بننا نہیں چاہتی میں معاشرے میں اپنے بل پر اپنا مقام بنانا چاہتی ہوں یوں کسی پر مسلط ہو کر رہنا نہیں چاہتی۔"اسے تعامل تھا۔

"آپ اپنے ہی بل بوتے پر سب کچھ کر سکتی ہیں۔ مگر اس کے لیے ضروری نہیں کہ آپ پر خطر راستہ ہی اپنائیں کیا آپ اپنے بل پر اپنے لیے حفاظتی اقدام نہیں اٹھانا چاہیں گی۔ بلکہ آپکو تو چاہیئے کہ دنیا کو دکھا دیں آپ کہ آپ خود بھی اپنی سمجھداری

سے اپنی ناموس اپنی عزت کی حفاظت بخوبی کر سکتی ہیں مجھے امید ہے آپ سمجھداری سے کام لیں گی۔" زوار اس کی خاطر بے چین ہوا جا رہا تھا۔ اسے سمجھانے منانے کی کوشش کرنے لگا۔

"ٹھیک ہے میں آپ کی فیملی سے مل کر ہی طے کر سکوں گی۔ میں وہاں رہنا چاہتی ہوں یا نہیں۔" ماہم کے اندر بھی تنہائی کا ڈر کہیں نہ کہیں چھپا ہوا تھا۔ اس نے نیم رضامندی ظاہر کی تو زوار مطمئن ہوتا شادابی سے اسے دیکھ کر مسکرانے لگا وہ اب واپس گاڑی میں بیٹھ چکے تھے'۔ اس بار ماہم نے فرنٹ سیٹ کو چنا تھا۔ زوار جانتا تھا۔ حویلی میں اب تک تو کسی نہ کسی نے ماہم کی غیر موجودگی محسوس کرلی ہوگی یوں بھی صبح کا اجالہ پھیلنے میں تھوڑا ہی وقت باقی رہ گیا تھا اس بار اس کی گاڑی کی رفتار غیر معمولی حد تک تیز تھی۔ اور ماہم تو صدا کی ایڈونچرز کی شوقین تھی کیا ہی خوف کھاتی وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے ہوئے تھی۔ وہ ایک سراسر انجان شخص پر بھروسہ کر رہی تھی۔ دل میں کہیں نہ کہیں ڈر بھی تھا۔ لیکن وہ اس سے کئی مرتبہ پہلے مل چکی تھی اور پھر نوید ملک جیسے درندے کو بھی تو اسے نے انجام تک پہنچایا تھا اور اسکا راز بھی راز رکھے رکھا تھا۔ اب بھی اس نے کچھ ایسا ویسا نہیں کیا تھا دل اس کے حق میں گواہی پر گواہی دیے جا رہا تھا۔ ماہم کی نگاہیں زوار کے چہرے پر جم کر رہ گئیں جو ڈرائیونگ میں مگن تھا۔ وہ اچھا خاصہ ہینڈسم تھا ماہم کو اندازہ ہوا کب اسکی آنکھ لگی اسے اندازہ بھی نہیں ہوا تھا۔

مگر جب آنکھ کھلی تو سورج سر پر آگ برسا رہا تھا۔ صبح کے سات بج چکے آنکھ کھلنے پر وہ چونک کر سیدھی ہو بیٹھی گاڑی کہیں ویرانے میں رکی ہوئی تھی۔ اور زوار بھی وہاں موجود نہیں تھا۔ ماہم کے ہوش اڑے گے تھے۔ مگر ونڈو اسکرین کے پار سامنے چائے کے ڈھابے پر موجود چائے بنواتے زوار پر پڑی تو اس نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے اپنی ہی الٹی سیدھی سوچوں پر خود کو ملامت کیا۔ چند منٹوں بعد وہ چائے کے ساتھ چند بسکٹ اور کپ کیکس لیے لوٹا تھا۔

"شکریہ۔" ماہم نے چائے کا کپ تھامتے ہوئے مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا تو اس نے سر تسلیم خم کیا ماہم نے اپنی جانب کا شیشہ کھول دیا تھا۔ وہ اسوقت موٹروے کے کنارے چائے کے ڈھابے پر رکے ہوئے تھے۔ ایک طرف سورج شعلے برسا رہا تھا۔ تو دوسری جانب ہوائیں انکا استقبال کر رہی تھیں۔

"ٹرائے دس یہاں کا بیسٹ کپ کیک اور مشہور ترین چائے سے آپکی تواضع ہو رہی ہے۔ وہ بھی صبح صبح آپ بہت خوش قسمت ہیں۔ یہ چائے لورز کے لیے بہترین جگہ ہے۔" زوار نے ہلکے پھلکے انداز میں گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

"میں چائے نہیں پیتی۔" اس نے مسکرا کر اسے آگاہ کیا۔ "مگر اسوقت میرے لیے واقعی شاید چائے سے اچھا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔" اس نے چائے کا سپ بھرتے ہوئے خوشگوار لہجے میں مزید کہا۔ رات کی نسبت اب وہ کافی حد تک سنبھلی ہوئی لگ رہی تھی۔ زوار گاہے بگاہے اس پر تمام راستہ نگاہ ڈالتا آیا تھا۔ مگر اس کے چہرے میں ایسی مقناطیسی کشش تھی زوار کا دل اسکی جانب

کھینچتا ہی چلا جا رہا تھا۔

"ویسے آپ کی فیملی میں صرف آپ کے بابا اور آپ کی آپا ہیں کیا۔" وہ اس کے گھر والوں کی بابت مزید جاننا چاہتی تھی اسے موقع اچھا لگا اسلیے پوچھنے لگی۔

"نہیں عائشہ آپا ہیں۔ ان کے ہسبینڈ شہزاد بھائی ہیں ایک پیارا سا بھانجا بھی ہے میرا علی بہت شرارتی ہے۔ ابھی 3 کلاس میں پڑھتا ہے مگر موصوف گرل فرینڈ بنائے پھرتے ہیں۔" زوار بتاتے ہوئے ہنس دیا ماہم کو بھی کافی دلچسپی ہوئی۔

"اور آپ کی ماما۔" زوار کے تاثرات پل میں سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ گئے۔

"میرے پرینٹس اس دنیا میں نہیں رہے۔ میں بہت چھوٹا تھا۔ جب وہ ایک حادثے میں گزر گئے اس کے بعد سے میرے چاچا نے ہی مجھے ماں اور باپ دونوں کا پیار دیا ہے۔ شہزاد بھائی میرے چاچا کے ہی بیٹے ہیں۔ آپا اور شہزاد بھائی کی شادی لو میرج ہے۔ سب ایک ساتھ اپنی گرہستی میں بہت خوش ہیں"۔ اسے سن کر خاصہ افسوس ہوا تھا۔ مگر ساتھ ہی انمول رشتوں کی موجودگی پر خوشی بھی ہونے لگی۔ کاش اس کی بھی ایسی ہی ہنستی مسکراتی ایک دوسرے کی ذات سے بے پناہ پیار کرنے والی فیملی ہوتی۔ حویلی کے مکین تو بس مطلب پرستی ہی سیکھنے سکھانے میں لگے رہتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے حسین لمحات کو جی کر یادگار بنانے میں تو کسی کو دلچسپی ہی نہیں تھی۔ ماہم کی بھی اپنی ہی ناتمام ہونے والی حسرتیں تھیں۔

"اسکا مطلب ہے آپ اپنے چاچا ہی کو بابا کہتے ہیں بہت نصیب کی بات ہے ایسے چاہنے والے لوگوں کا ساتھ ملنا ویسے ان کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا میرے وہاں رہنے سے"۔

"اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو میں آپ کو اتنی بڑی آفریوں ہی نہ کر دیتا میرے گھر والے بہت ملنسار ہیں۔ محترمہ اور بابا وہ تو سب سے زیادہ خوش ہوں گیں تمہیں دیکھ کر۔" زوار نے اسکا اندیشہ بھانپتے ہوئے اسے اعتماد دلایا۔

"کتنی دیر اور لگے گی ہمیں بہاولپور پہنچنے میں۔" ماہم ارد گرد سنسان علاقہ دیکھ کر شہر سے دوری کا تعین کرنے کی کوشش کی تھی۔

"بس کچھ ہی دیر اور آدھے گھنٹے تک ہم گھر ہوں گے۔ میں نے گھر پر اطلاع کر دی ہے۔ ہمارے آنے کی وہ لوگ بھی انتظار کر رہے ہیں۔" زوار نے اسے اطلاع پہنچائی تو وہ خوامخواہ ہی ہاتھ مسلتی نروس ہونے لگی۔

"آپ نے کیا کہا میرے بارے میں اپنے گھر والوں سے۔" اسکے سوال پر زوار ٹھٹھکا۔

"ماہم آپکی عزت میرے لیے بہت مقدم ہے۔ آپکی مرضی کے بغیر میں کسی سے بھی کچھ بھی نہیں کہوں گا۔ میں نے محض اتنا بتایا کہ آپ میری دوست ہیں۔ اکیلی ہیں آپکو رہنے کے لیے جگہ چاہیئے اس لیے میں آپکو گھر لا رہا ہوں۔" اس نے وضاحت کی۔

"آپ کے گھر والوں کو اس بات پر اعتراض نہیں ہوا کہ آپ کی کسی لڑکی سے دوستی ہے اور آپ اسے گھر تک لا رہے ہیں۔ بنا کسی رشتے اور نام کے۔" اپنے تیئں ماہم نے سمجھداری سے ہی پوچھا تھا۔ مگر آخری جملہ ایسا تھا۔ کہ زوار جی بھر کر لطف اندوز ہوا۔

اب وہ اسے کیا بتاتا کہ اس کے گھر پر تو سب اتنے میں ہی جھوم اٹھے تھے۔ زوار کسی لڑکی کو گھر لا رہا ہے اور وہ اسکی دوست ہے آخر کو وہ صنف نازک میں پہلی بار اس نے کسی کو دوست کہہ کر گھر والوں سے ملوانے کا پلان بنایا تھا۔ وہ جو لڑکیوں کے نام سے ہی دور بھاگ جایا کرتا تھا۔ گھر والوں کے خوب اصرار کے باوجود بھی اس نے اب تک شادی نہیں کی تھی۔ دو ایک مرتبہ تو عائشہ نے زبردستی کی کوشش بھی کر ڈالی تھی۔ مگر وہ ایک ہی نہ پر اڑا رہا تھا۔ اوپر سے وہ گھر پر ٹکتا ہی کہاں تھا۔ ہمیشہ یہاں وہاں شہر شہر بھٹکتا رہتا تھا۔ نوکری کا تقاضہ تھا اس لیے مہینوں مصروف رہتا گھر کا چکر تو قسمت یا نصیب ہی لگاتا تھا۔ وہ یوں ہی خوش تھا۔ مگر پھر اسکی زندگی میں ماہم چلی آئی تھی۔ دل میں اس کی چاہ جاگی تو سب اتھل پتھل ہو کر رہ گیا تھا۔ زندگی سے سارا چین اطمینان رخصت ہو گیا تھا۔ دن کا چین راتوں کی نیند صحیح معنوں میں اڑ گئے تھے۔

"رشتہ کو نام آپ دینا نہیں چاہیں گی اس لیے اب تو اسی بات سے کام چلانا پڑے گا۔ آپ کی پہچان چھپانے کے لیے میں نے ایک اور جھوٹ بھی بولا ہے۔ امید کرتا ہوں آپ برا نہیں منائیں گی۔ میں نے کہہ دیا کہ آپ کے پیرینٹس گزر چکے ہیں آپ بالکل اکیلی ہیں اور صادق آباد سے آئی ہیں۔ اور اب ایک مزید جھوٹ آپکو بولنا ہو گا میری خاطر"۔

"مجھے بالکل برا نہیں لگا میری اماں تو میرے پیدا ہوتے ہی چل بسیں تھیں۔ اور باپ کا ہونا نہ ہونا ایک برابر ہی ہے۔ اور میں سمجھی نہیں کیسا جھوٹ بولنا ہو گا مجھے"۔

"یہ کہ میں حاصل پور میں پوسٹڈ نہیں ہوں"

"ویسے مگر آپ تو حاصل پور ہی میں انچارج ہیں پھر یہ بات آپ اپنے گھر والوں کو کیوں نہیں بتانا چاہتے۔" اسے اس بات پر اچھنبا ہوا تھا۔

"ایمانداری کی اس دنیا میں بہت تھوڑی جگہ بچی ہے۔ ماہم اب میرا ایک بار پھر سے تبادلہ ہو چکا ہے یہ بات میں کسی کو بتانا نہیں چاہتا خاص کر اپنے گھر والوں کو وہ اب تک سمجھتے ہیں۔ میں رحیم یار خان میں ہی ہوں اس لیے بہتر تو یہ ہی ہے انھیں نہ بتایا جائے"۔ اب یہ زوار کا سراسر ذاتی معاملہ تھا۔ وہ بھلا کیا کہتی سو خاموش ہو رہی وہ بہاولپور پہنچے تو نہایت خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا گیا تھا۔

ان کے منع کرنے کے باوجود عائشہ نے ناشتے پر میز کو طرح طرح کے لوازمات سے بھر دیا تھا۔ وہ اس وقت سب ہی ناشتے کی میز پر موجود تھے۔ آج چھٹی تھی۔ علی اور شہزاد بھی گھر پر ہی تھے۔ ماہم کی سب ہی اچھے لگے تھے۔ مگر زوار کے بابا کا رویہ اسے

اپنے ساتھ کچھ عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر چونکے تھے۔ اور پھر کچھ گم صم سے ہو گئے تھے۔

"ماہم اسطرح سے نہیں چلے گا اتنا کم اتنی محنت سے میں نے خود کھانہ بنایا ہے اب کھانہ تو پڑے گا ہی یہ نہاری ٹرائے کرو۔" اس نے زبردستی اس کی پلیٹ میں نہاری اور پراٹھے کا اضافہ کیا۔

"آپا آپ نے اتنا ہیوی ناشتہ بنایا ہے دیکھ کر لگتا ہے جیسے میرا ولیمہ ہو اور ناشتہ سسرال سے آیا۔" ہو وہ ہی دو جلے ہوئے ٹوسٹ کانٹے چھری کی مدد سے کھاتے زوار نے چوٹ کی۔

"میرے بھائی وہ دن تو اللہ معجزے سے ہی دکھائے گا میں نے سوچا خود ہی اپنا دل بہلا لیا جائے ویسے ماہم تمہارا کیا خیال ہے زوار سے شادی کے بارے میں۔" عائشہ نے تو چٹکلے کے جواب میں دھماکہ ہی کر ڈالا تھا۔ ایسے ڈائریکٹ فائر کی زوار کو کم از کم ہر گز امید نہیں تھی۔ ادھر ماہم کے حلق میں نوالہ یوں پھسا کہ کھانس کھانس کر بے حال ہو گئی زوار نے آنکھیں دکھائیں تو عائشہ نے اسے ہی تیز نظروں سے گھورا۔

شہزاد سارا منظر دیکھ کر لطف اندوز ہوتا رہا تھا۔ ناشتے بعد زوار اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ فریش ہونے شہزاد نے اخبار سنمبھال لی علی کارٹون دیکھنے لگا تھا۔ عائشہ ماہم کو لیے گیسٹ روم میں چلی آئی تھی۔ گھر کی طرح کمرہ بھی کشادہ اور شاندار تھا۔

"اب سے یہ تمہارا کمرہ ہے تم یہاں کھل کر آرام سے رہ سکتی ہو ماہم۔ یہاں کسی کو بھی تمہارے رہنے سے کوئی بھی اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ تم ہماری توقع سے بڑھ کر سادہ اور بے ضرر سی نکلی ہو آجکل کے زمانے میں کہاں لپیٹتی ہیں لڑکیاں اتنی لمبی تھان نما چادر اور یہ سادہ سی شلوار قمیض کی مجھے تو امید نہیں تھی۔ میں نے تو سوچا تھا۔ کوئی پینٹ شرٹ والی میم اٹھائے لا رہا ہو گا زوار مگر سچ پوچھو تو مجھے تم سے مل کر تمہیں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے۔" عائشہ نے برملا اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ ماہم مسکرا کر رہ گئی۔

"لیکن میرے اور زوار کے درمیان ایسا ویسا کچھ نہیں ہے۔" ماہم نے صبح والے عائشہ کے سوال کا اب جواب دیا تھا۔

"ہاں میں جانتی ہوں مگر پھر بھی تم یہاں آرام سے رہ سکتی ہو بالکل میری بہن کی طرح۔ پتہ ہے اکیلی میں بور ہو جاتی ہوں گھر میں اس لیے اب تمہیں تو میں یہاں سے جانے نہیں دوں گی"۔

"ویسے یہ معاشرہ اس قابل نہیں ماہم کہ جوان جہان لڑکی کو اس کے حولے کر کے چین سے رہا جا سکے۔ کیسے کیسے بھیڑیے پھر رہے ہیں تم سوچ بھی نہیں سکتی میں نہیں جانتی تم زوار کو کیسے جانتی ہو کس طرح کہاں وہ تمہیں ملا وہ کیا وجہ تھی۔ جس کی بدولت تم نے اس پر اعتبار کر لیا ریقین جانو تم نے اپنی زندگی کا سب سے بہترین فیصلہ کیا ہے۔ تمہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ احساس ہو گا تمہیں کبھی اس فیصلے پر پچھتانا نہیں پڑے گا۔" عائشہ کو سچ میں اس کے یہاں آکر رہنے کے فیصلے سے خوشی ہوئی تھی۔

کچھ دیر وہ دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں تھیں۔ پھر عائشہ چلی گئی تو رات بھر کی جاگی ماہم اپنے مستقبل کے خیالوں

میں کھوئی نجانے کب نیند کی گہری وادی میں جا اتری تھی۔ آنکھ کھلی تو شام ہو رہی تھی۔ جلدی سے بستر چھوڑ کر ماہم منہ ہاتھ دھو کر فریش ہوئی تھی۔ اتنے میں عائشہ چلی آئی۔

"اٹھ گئیں تم اب جلدی سے بتاؤ کھانا باہر آ کر کھاؤ گی یا یہیں لے آؤ تم نے صبح کا ناشتہ کیا ہوا ہے۔ بھوک تو لگ رہی ہو گی نہ بہت"۔

"نہیں ایسی کوئی بھوک نہیں لگ رہی میں ابھی کھانا نہیں کھاؤں گی بس پانی پینا چاہتی ہوں۔" ماہم کو پیاس لگ رہی تھی۔

"اوہ ہو! میں بھی پانی رکھنا ہی بھول گئی تمہارے کمرے میں میں ابھی بھجواتی ہوں پانی۔" عائشہ اپنی یاداشت پر ماتم کناں باہر نکل گئی۔ کچھ دیر میں ملازمہ اس کو پانی پہنچا گئی تھی۔ ماہم کا لباس خاصہ شکن ذدہ ہو رکھا تھا۔ اس نے جلدی میں حویلی سے نکلتے وقت ایک بھی جوڑا ساتھ نہیں لیا تھا۔ اور اس غلطی کا احساس اسے اب ہو رہا تھا اس کے بارے میں بھی وہ سوچ ہی رہی تھی۔ کہ عائشہ کمرے میں داخل ہوئی ء اب کے وہ فرصت سے اس کے پاس بیڈ پر آ بیٹھی تھی۔

"اگر برا نہ مانو تو ایک بات کہوں پتہ نہیں کیا مجبوری تھی۔ تم اپنے ساتھ کوئی بھی سامان نہیں لا پائی زوار نے مجھ سے کچھ دیر پہلے کہا کہ میں تمہیں کچھ کپڑے دے دوں مگر ماہم تم اتنی نازک دبلی پتلی سی ہو میرے کھلے ڈلے کپڑے کہاں جچیں گے تم پر اس لیے میں سوچ رہی تھی۔ کل کرنے کا کام کیوں نہ آج ہی کر لیا جائے میں زوار سے کہہ دیا ہے۔ وہ ہمیں ڈنر کے بعد مارکیٹ لے جائیگا میں شاپنگ کی بہت زیادہ شوقین ہوں اس لیے انکار کرنے کی کوشش بھی مت کرنا۔" اسے شش و پنج میں مبتلا دیکھ کر عائشہ نے دھمکایا تو اس نے بھی سارے تکلفات پس پشت ڈال کر جانے کے لیے حامی بھر لی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"ویسے زوار کو زحمت دینے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم اکیلے ہی چلے جاتے"۔ ماہم کو بار بار زوار کو ڈسٹرب کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کل رات سے اب تک وہ اسکی وجہ سے خوار ہو رہا تھا۔ اس کی ذاتی زندگی میں اپنی بدولت وہ کوئی بھی خلل پیدا نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ اس بات سے بے خبر کے وہ تو اسکے دل میں ایک نہ ختم ہونے والا انتشار برپا کر چکی تھی۔ زوار کی سوچوں کا کارواں اسی کے گرد گردش کرتا تھا۔

"شہزاد کو کسی ضروری کام سے جانا ہے رات, ورنہ ان کو لے چلتے۔ بابا تو تم جان چکی ہو بیمار رہتے ہیں۔ آجکل تو سانس کا پرابلم بھی کافی بڑھ گیا ہے۔ علی کو اسی لیے گھر پر چھوڑ کر جاوں گی بابا کے پاس اور زوار نے سختی سے منع کیا ہے کچھ دن تمہیں تنہا باہر نکلنے کی اجازت بالکل نہ دی جائے تب ہی تو وہ خود تیار ہے ساتھ جانے کو, ورنہ محترم کی شاپنگ سے بہت جان جاتی ہے"۔

"منتیں کروں تب بھی نہیں مانتا۔ اترا لو مس ماہم بہت خاص ہو تم اتنی مہربانیاں دکھا رہا ہے"۔ تمہارے لیے عائشہ شریر

ہوئی تو ماہم کے گال خفت سے گلابی ہوئے۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ عائشہ آپا بس وہ ویسے ہی ایک ہمدرد اور اچھے انسان ہیں"۔

اپنی جانب سے اس نے وضاحت پیش کی تھی۔ مگر عائشہ نے جن نظروں سے اسے دیکھا وہ زوار کی تعریف کر کے پچھتائی کچھ نگاہ اٹھائی تو وہ بھی دروازے میں کھڑا دکھائی دیا۔

"معذرت چاہتا ہوں دروزہ کھلا تھا۔ اسی لیے چلا آیا وہ شرمندہ ہوا"۔

"نہیں کوئی بات نہیں آپ آجائیں"۔ ماہم پرسکون سی بیٹھی تھی۔ فوراسیدھی ہو کر چوکس ہوئی۔

"آپ ٹھیک ہیں یہاں کچھ چاہئے تو نہیں"۔ زوار نے آداب میزبانی نبھائے۔

"نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کچھ نہیں چاہئے فی الحال تو۔ جو چاہیئے وہ مارکیٹ سے میں لے لوں گی خود ہی۔ ڈنر کے بعد عائشہ آپا نے بتایا کہ شاہنگ کا پلان ہے"۔ ماہم نے تفصل سے جواب دیا تو زوار نے ہاں میں سر کو جنبش دی۔

"آپا آپ کو شہروز بھائی بلا رہے ہیں ان کو ڈنر کی جلدی ہے۔ شاید نکلنا ہے کسی کام سے انھیں۔ ایسا کریں سات تو بج ہی رہے ہیں آپ کھانہ لگا ہی دیں ٹیبل پر۔ مجھے بھی بھوک لگی ہے اور ماہم نے بھی تو صبح ناشتے کے بعد سے کچھ نہی کھایا"۔

اب وہ عائشہ کو ہدایات دے رہا تھا۔ جس پر اس نے فوراہی عمل بھی کر ڈالا۔ کچھ دیر بعد سب ہی گھر والے اکٹھے ڈائننگ ٹیبل پر موجود ڈنر کر رہے تھے۔

"مجھے آپ سب سے کچھ کہنا ہے"۔ ماہم بولی تو سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"میں اور زوار دوست نہیں ہیں۔۔۔" اس نے کہنا شروع کیا اور پھر اپنی کہانی اپنی زبانی سناتی چلی گئی۔ سب ہمہ تن گوش پوری توجہ سے سنتے رہے تھے۔

پوری داستان من و عن ان کے سامنے کہہ دینے کے بعد وہ اب خاموش ہو چکی تھی۔ زوار کی حاصل پور پوسٹنگ کا بھانڈا بھی اس نے پھوڑ ڈالا تھا۔ مگر پھر بھی زوار کو برا نہیں لگا تھا۔ غصہ نہیں آیا تھا۔ بلکہ اسے تو اپنے انتخاب پر فخر سا ہوا تھا۔ کسی بھی جھوٹ یا بہانے کی وجہ سے ماہم اس کے گھر پر نہیں رہنا چاہتی تھی۔ اس نے سب کو وہ سب کچھ سچ سچ بتا دینے بعد وہاں رہنے کی کچھ شرائط رکھیں تھیں۔

جن میں سر فہرست اس نے مفت میں ان کے ساتھ رہنے سے صاف صاف انکار کر دیا تھا۔ یہ اس کی خودداری کے خلاف تھا۔ وہ پینگ گیسٹ کے طور پر ان کے ساتھ رہنے پر راضی ہوئی تھی۔ اور اس نے اپنے لیے دوسرے پورشن پر نسبتا خاموش کونے والا کمرہ چنا تھا۔ وہ نیچے ان کے ساتھ رہائش پذیر ہو کر ان کی ذاتی زندگی میں مدخل نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس کی دونوں باتیں ہی

سب نے کھلے دل سے تسلیم کر لیں تھیں۔ اب جب اس نے یہاں رہنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا تو ان سب سے سچ چھپانا اسے مناسب نہیں لگا تھا۔ سو اس نے سب سے سارا سچ کہہ سنایا تھا۔ اس کی ہی طرح اس کے سچ کو بھی سب ہی گھر والوں نے کھلے دل سے اپنایا تھا۔ ایک زوار کے بابا ہی تھے۔ جنھیں گہری چپ لگ گئی تھی۔

"ماہم تم آج سے خود کو میری بہن سمجھو تم اب ہم سب کی ذمے داری ہو۔ ہم جی جان سے تمہاری حفاظت کریں گیں۔ اپنی پہچان اور آزادی کی جو جنگ تم لڑنے نکلی ہو یہ بہت بہادری کا کام ہے۔ اور اس قدم میں ہم سب ہر پل، ہر وقت تمہارے ساتھ ہیں۔"

شہروز بڑے مدبرانہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے تسلی دے رہا تھا۔ ماہم نے شکر گزار نظروں سے اسے دیکھا۔

"شہروز بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ زوار اگر تمہیں یہاں لایا ہے تو اب تم پوری طریقے سے خود کو ہمارے ہی گھر کا فرد سمجھو۔ زوار نے تمہیں یہاں لا کر بہت اچھا کیا ہے۔ اس جگہ سے زیادہ میرا نہیں خیال اس وقت کوئی اور محفوظ جائے پناہ میسر ہوتی تمہیں۔ خود ساختہ روایتوں کی زنجیر توڑ کر تم نے بہت ہمت کا ثبوت دیا ہے۔ ہم سب تم پر کوئی احسان نہیں کر رہے ہیں اس لیے ہچکچانا ہر گز مت تم۔ یہ حق اور سچ کی لڑائی ہے۔ اس میں ہم بس اپنا کردار ادا کر رہے ہیں"۔

"تم ہمیں اپنے بارے میں نہ بتاتی تب بھی ہمیں ہر گز اعتراض نہ ہوتا تمہارے یہاں رہنے سے۔ مگر تم نے ہمیں اپنا سمجھ کر اپنے بارے میں سب کچھ بتایا اس بات سے تمہاری قدر و منزلت ہماری نظروں میں اور بڑھ گئی ہے"۔ عائشہ اس کے ساتھ بیٹھی تھی اسکے شانے پہ ہاتھ رکھ کر اسے کہہ رہی تھی۔

ماہم کو کوئی بھی جواب مناسب نہیں لگا تھا۔ وہ خاموش بیٹھی مسکراتی رہی۔

"یک جہتی کے اعلانات اختتام پذیر ہو گئے ہوں تو چلیں بازار۔ واپس جلدی آنا ہو گا۔ فی الحال ایسا کوئی خطرہ تو نہیں ہے۔ مگر دیر رات بازاروں کی خاک چھاننا کچھ زیادہ مناسب بھی نہیں لگتا۔ میں آپ لوگوں کا باہر انتظار کر رہا ہوں گاڑی میں"۔ کہہ کر شاد سا ہوتا وہ باہر نکل گیا اس کے ساتھ ساتھ سب ہی کھانہ کھا کر فارغ ہو چکے تھے۔ ماہم اور عائشہ چادر لینے چلی گئیں تھیں۔ علی دادا کو سہارا دے کر ان کے کمرے میں چلا گیا تھا۔ شہزاد بھی گھڑی اور والٹ اٹھا کر کہیں نکل گیا تھا۔

زوار گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے بیٹھا ان کا منتظر تھا۔ کل وہ بنا بتائے ہی بھاولپور چلا آیا تھا۔ یہ بات اسے اپنے حق میں بہتر ہی محسوس ہوئی تھی۔ آج بھی اس نے تھانے فون کر کے کہہ دیا تھا کہ وہ طبعیت کی ناسازی کہ بدولت اپنی سرکاری رہائش گاہ پر ہی رکا ہوا ہے۔ اور رہائش گاہ پہ اس نے کسی خفیہ مشن کا بتا کر اپنی غیر موجودگی کو راز رکھنے کا حکم دے رکھا تھا۔ آج وہ ماہم کی خاطر ہی گھر پر رک گیا تھا۔ اس لیے اسکا صبح صادق ہی حاصل پور لوٹنے کا اردہ تھا۔

ماہم اور عائشہ اسے سامنے سے آتی دکھائی دے رہیں تھیں۔

ماہم کو دیکھ کر جیسے زوار کو کسی خوابی کیفیت کا سا گمان ہونے لگتا تھا۔ وہ جو اس کی آرزو تھی۔ اس کی دسترس اور نصیب سے کوسوں دور تقدیر نے ایک ہی جھٹکے میں کسی انعام کی طرح اسے اسکی جھولی میں ڈال دیا تھا۔ چاہے انکے درمیان اب تک کسی باقاعدہ سلسلے کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ نہ ہی ماہم کی جانب سے ایسی کوئی پیش رفت ہوئی تھی۔ مگر ماہم کو حویلی کی چاردیواری میں قید دیکھ کر اسے پانے کی جو آس، جو امید ٹوٹی تھی۔ وہ اب ایک بار پھر سے جاگ اٹھی تھی۔ جسے دیکھنا محال تھا۔ وہ کل رات بھر اس کی ہمسفر رہی تھی۔ اور اس کے ہی گھر میں پناہ گزیں تھی۔ ماہم نے حویلی و خاندان کی زنگ آلود لہولہو کرتی زنجیروں سے خود کو آزاد کروا کر، اپنے ساتھ ساتھ زوار کی بھی زندگی بچالی تھی۔ زوار اسے یہ کہنا چاہتا تھا۔ مگر اب تک تکلف کی دیوار ان کے درمیان اپنی مضبوطی سے حائل تھی۔

کچھ یوں بھی ماہم نے اس پر اعتبار کر کے اسے خوشی بخشنے کے ساتھ ساتھ بے حد محتاط بھی کر دیا تھا۔ کوئی اور لمحہ ہوتا تو پہلی فرصت میں ہی وہ اسے اپنے دل کی ابتر ہوتی کیفیت سے آگاہ کرتا۔ اسے اپنی دل کے بندی بن جانے کی کہانی بڑی شدت و چاہت سے اس کے گوش گزار کرتا۔ مگر یہ ماہم کا اعتبار و یقین ہی تھا جس نے زوار کو اپنے پاکیزہ جذبات کو بھی لفظوں کا جامع پہنانے سے اب تلک روکے رکھا تھا۔ وہ جلد بازی میں کچھ بھی کہہ کر اسے گنوانے کا رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔

وہ پچھلی نشستوں پر سوار ہوئیں تو زوار کی سیاہ پجارو نے روانگی پکڑی۔ بھاولپور کے راستوں سے گزرتی گاڑی رنگا رنگ رونق سے بھرپور شہر کی سب سے بہترین مارکیٹ میں جا کر رکی تھی۔

زوار انھیں اپنی ہمراہی میں لیے ایک شاندار سی بوتیک میں داخل ہوا تھا۔ جہاں سے ماہم نے ضرورت کے لحاظ سے کافی خریداری کر لی تھی۔ پے منٹ ماہم سے پہلے ہی زوار کر چکا تھا۔ اس نے احتجاج کی کوشش کی تو عائشہ نے اسے اچھی خاصی جھاڑ پلادی۔

"اب ہر بات کیا تمہاری ہی مانی جائے۔ ہمیں اب تک پرایا ہی سمجھ رہی ہو۔ تمہیں اپنا فیملی ممبر کہا ہی نہیں، تہہ دل سے مانا بھی ہے۔ اس لیے بنا چوں چرا اں کیے چپ چاپ شاپنگ کرو۔ بل زوار دیکھ لے گا۔ ویسے بھی چھڑا چھانٹ آدمی ہے۔ اس بچارے نے بھی تو اپنی کمائی کہیں نہ کہیں لٹانی ہو گی نا! بے فکر رہو"۔ عائشہ اپنی دھن میں مست رہنے والوں میں سے تھی۔

ماہم سچ مچ ہی خاموش ہو گئی تھی۔ لیکن پھر اس نے مزید کچھ بھی زیادہ خریدنے سے ہاتھ روک لیا۔ وہ جوتوں کی دکان پہ موجود تھے۔ زوار نے اس کے لیے بلیک سینڈل پسند کیے تھے۔ جنھیں عائشہ نے فوری ہاں کی سند دی تو باقی جوتوں کے ہمراہ انھیں بھی خرید لیا گیا۔ میک اپ عائشہ نے خود بھی چن چن کر لیا تھا۔ ساتھ ہی اسے بھی زبردستی دلوا دیا۔ آخر میں ہینڈ بیگ کچھ تھوڑی

بہت جیولری لی تھی۔ اپنی عادت کے بر خلاف عائشہ نے کسی بھی جگہ بھاو تاو کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کچھ تو پیسے اس کی جیب سے نہیں نکل رہے تھے۔ اوپر سے جو پیسے خرچ کر رہا تھا۔ اسے یہ بلاوجہ کی بحث ہر گز پسند نہیں تھی۔ تیسری اور اہم وجہ یہ تھی کہ ہر برانڈڈ شاپ پر فکسڈ پرائز کا ٹیگ لگ چکا تھا۔ رات کے 11 بجے وہ فارغ ہو کر نکلے تھے۔

گاڑی میں جوں ہی سوار ہوئے عائشہ کو علی کی جاگرز کی فرمائش یاد آئی۔ بڑی لجاجت سے زوار کو رکنے کا کہہ کر وہ واپس مارکیٹ کی بھیڑ میں گم ہو گئی۔

وہ دونوں کار میں تنہا موجود تھے۔ زوار کا دل بے قرار ہو اٹھا۔ وہ اسے اپنانا چاہتا تھا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسے اپنا بنا کر زمانے کے نرم گرم رویوں سے بچانا چاہتا تھا۔ دھوپ چھاوں ہوتے مزاج سے ہمیشہ ناآشنا ہی رہنے دینا چاہتا تھا۔

مگر کوئی بھی پیش قدمی اسے اس وقت مہنگی پڑ سکتی تھی۔

"ماہم میں کل حاصل پور جا رہا ہوں واپس۔ آپ کو کبھی بھی کسی بھی وقت میری ضرورت محسوس ہو، بنا کسی جھجک کے آپ مجھے بتا سکتی ہیں۔ یہ میں نے آپ کے لیے موبائل خریدا ہے۔ نئی سم اپنے ہی نام سے رجسٹرڈ کروائی ہے۔ تاکہ آپ کا نمبر کسی بھی طرح ٹریس نہ ہو سکے۔ آپ نے اپنا پرانا موبائل آن تو نہیں کیا؟ اگر نہیں کیا تو میں آپکو بتادوں یہ غلطی ہر گز مت کیجئے گا۔ فوری وہ موبائل توڑ کر پھینک دیں"۔ نیا سامسنگ کا جدید ٹچ اسکرین موبائل تھماتے ہوئے اس نے نصیحت کی۔

"نہیں یہ آپ رکھیے ماہم کو تعامل ہو رہا تھا"۔ پہلے ہی زوار اس کے لیے کافی کچھ کر چکا تھا۔ اب تو ماہم شرمندہ سی ہونے لگی تھی۔

"دیکھیئے یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں۔ آپ کو سمجھنا چاہیئے کہیں بھی کبھی بھی کسی مصیبت میں پھنس سکتی ہیں آپ۔ ایسے میں آپ کے پاس موبائل فون کا ہونا بہت ضروری ہے"۔ زوار نے اسے سمجھایا تو وہ ایک بار پھر سے ہار مان گئی۔

"ویسے زندگی میں آگے کیا منصوبے ہیں آپکے؟ پڑھنا چاہتی ہیں؟ یا کچھ اور کرنا چاہتی ہیں؟ اس نے یونہی بات برائے بات پوچھا"۔

"میں فوٹو گرافر بننا چاہتی ہوں۔ میں نے ایک ایڈورٹائزنگ فرم میں اپنے کچھ کلکس اور سی وی میل کی ہیں۔ اب تک جواب تو نہیں آیا۔ مگر پھر بھی یہ میرا اپیشن ہے۔ میں مزید کوششیں کرتی رہوں گی۔ رہی بات تعلیم کی تو میں نے بی۔ ایس۔ سی کی ہے۔ آگے پڑھنا چاہتی ہوں ایم۔ ایس۔ سی کرنا چاہتی ہوں۔ پھر سی۔ ایس۔ ایس" ماہم نے گفتگو میں دلچسپی دکھاتے ہوئے اپنے پلانز سے تفصیل سے آگاہ کیا۔

"اور شادی؟؟"زوار کی زبان پھسلی۔

"جی!" ماہم کا جی کافی حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔

"نہیں یونہی پوچھا تھا۔ عموماً لڑکیوں کے خوابوں کا اصل محور شادی کے گرد ہی گھومتا ہے اس لیے"۔ زوار نے بات کو ہلکا پھلکا رنگ دینے کی سعی کی۔

ماہم نے انگلی کو نفی میں ہلاتی مسکرائی۔ زوار اسی کی جانب مڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

"میرے خیال سے میں اتنی بھی عام لڑکی نہیں ہوں کافی خاص سمجھ رکھا ہے میں نے خود کو۔ اسی لیے تو خوابوں کے ارد گرد بھی کہیں دور دور تک شادی جیسے خیال کا بسیرا نہیں ہے۔ نیور۔ میں شادی بالکل نہیں کرنا چاہتی"۔ وہ قطعی لہجے میں بولتی زوار کی خوش فہمیوں کے غبارے میں سے ہوا نکال گئی تھی۔

"مگر کیوں؟؟؟" بڑے جذب سے بے ساختہ پوچھا گیا۔

"کیونکہ مرد بہت خود غرض، مطلبی، ناانصاف ہوتا ہے عورت کے معاملے میں۔ عورت کو غلام اور خود کو حکمران سمجھنے والے لوگوں سے بھرا پڑا ہے یہ معاشرہ۔ اب چونکہ میں اس معاشرے کی سوچ کو بدل نہیں سکتی لہذا میں نے اپنی سوچ کو بدلتے ہوئے شادی جیسے بندھن کو خود کے لیے غیر ضروری قرار دے دیا ہے۔ کیونکہ جس کسی پر بھی میں نے جانچ پرکھ لینے کے بعد بھی بھروسہ کر لیا اس نے بھی بعد میں تو باتوں کا پجاری ہی نکلنا ہے۔ کیونکہ مرد کی فطرت ہی ایسی ہے۔ وہ اپنے گھر کی عورت کو اپنے شانہ بہ شانہ چلتے یا خود سے آگے بڑھتے نہیں دیکھ سکتا اور میں نے تو اڑان بھری ہی کامیابیوں کی، بلندیوں کو چھونے کے لیے۔ آپ جانتے نہیں ہیں میرے ماضی سے مرد کے ظلم و ستم جبر کی کیسی کیسی داستانیں منسلک ہیں۔ ایسے میں میں ایک مرد کے ہاتھوں اپنی چاہت اور اعتماد کے انمول جذبے گروی رکھ کر اپنی بہبود کی جنگ میں کمزور پڑنا افورڈ نہیں کر سکتی"۔

اتنی محدود سی زندگی گزارنے والی ماہم کی باتیں ہر بار کی طرح اس مرتبہ بھی زوار کو حیران کرنے کے ساتھ ساتھ مضطرب کر گئیں تھیں۔

ماہم کے دل تک رسائی حاصل کرنا زوار کو شدید دشوار ہدف لگا۔

"ماہم آپکی رائے بلاشبہ سچ پر مبنی ہے۔ مگر میں آپ کو اتنی بات ذہن نشین کروانا چاہ رہا ہوں کہ جیسے ہر عورت ایک سی نہیں ہوتی، ٹھیک اسی طرح مردوں میں بھی ورائٹی ہے۔ جیسے انسانوں میں فرق ہے کچھ اچھے، کچھ برے، کچھ بہت برے انسان ہوتے ہیں۔ ٹھیک ویسے مرد کی بھی قسمیں ہیں۔ تنگ نظر مرد کے ساتھ زندگی گزارنا دوبھر ہے۔ حد سے زیادہ لبرل مرد بھی بہت خطرناک واقع ہوتا ہے۔ یہ مردوں کی یہ دونوں قسمیں ٹھیک نہیں ہیں۔ آپ زندگی کے کسی بھی موڑ پر اپنے لیے جیون ساتھی چنیں تو میانہ روی کے راستے پر چلنے والے مرد کا انتخاب کیجئے گا۔ جو نہ چھوٹی ذہنیت رکھ کر آپکو ایک چار دیواری میں قید کرے اور نہ

ہی ایسے آزادانہ پنچھی سے کوئی واسطہ پیدا کیجئے گا جو آوارہ گردی کے نشے میں چور اپنی الگ ہی پرواز بھرلے۔ آپ ایسے مرد کو چنیں اپنے لیے جو آپکار کھوالا، آپکا محافظ تو ہو، مگر آپ پر شک کی آڑ میں ناجائز پابندیاں نہ لگائے۔ آپ سے محبت کا دعوے دار ہونے کے ساتھ ساتھ پوری ایمانداری سے آپکے ساتھ جڑا تعلق نبھائے۔ آپکو خود سے کمتر ہرگز نہ سمجھے۔ برابری کا قائل ایک مشرقی مرد ہو "۔

"آپ تو کسی ماورائی مخلوق کا ذکر کر رہے ہیں"۔

"یقین جانیں ایسا شخص کہیں سے برآمد ہو جائے تو میری بلند و بانگ تقریریں تو دھری کی دھری رہ جائیں"۔

"ایسا مرد میں نے تو اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ البتہ ناولوں، رسالوں میں ایسے مردوں کا تذکرہ ضرور سن رکھا ہے"۔

ماہم اسکی بات کو طنز میں اڑا گئی تھی۔ وہ چپ ہو گیا یوں بھی اس نے سب کچھ وقت، حالات اور تقدیر پر چھوڑ دیا تھا۔ جو نصیب اسے اس تک لایا تھا۔ وہی اب اس کے دل میں زوار کا مقام بھی بنائے گا یہ اسکا یقین تھا۔ عائشہ واپس آچکی تھی رات گئے وہ گھر لوٹے تھے۔ سب ہی اپنے اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ ماہم تاحال گیسٹ روم میں ہی رہ رہی تھی۔ زوار فریش ہو کر باتھ روم سے برآمد ہوا تو سامنے علی کو بیٹھے پایا جو اسکی آفیشل کیپ سر پر پہنے اکڑوں بیٹھا تھا۔ بالکل زوار ہی کی مانند مسلسل ٹریننگ کی بدولت زوار کا جسم سختی اپنا چکا تھا۔ وہ عام گھر پر بھی یوں بیٹھتا جیسے ابھی کہیں سے فائرنگ کے امکان ہوں۔ ہمہ وقت اکڑوں اور چوکس پوزیشن میں رہنے کی وجہ سے اس کے گھر پر سب ہی مذاق کا نشانہ بناتے تھے۔ وہ جب کبھی سو رہا ہوتا ہلکے سے کھٹکے پر ہی چونک چونک جاتا۔ اسکے فولادی بدن کے اسکے سب دوست بھی معترف تھے۔ پرسنلٹی ایسی کے کیا ہی کسی فلمی ہیرو کی ہوتی ہوگی۔ اونچا قد، گندمی رنگت، چہرے پر ہلکی سی داڑھی، شاندار چمکتی ہوئیں مونچیں، کالے گھنے تراشیدہ بال، سکس ایپ ڈولے، تنے ہوئے پولیس کی وردی پہن لیتا تو لوگ آنکھیں جھپکائے نہ جھپک پاتے۔ جہاں جاتا تھا لڑکیاں اسکی شیدائی اسے کے آگے پیچھے پھرنے لگتیں تھیں۔ مگر ایک ماہم تھی۔ جس نے اس کی جاندار پرسنلٹی کو نظر بھر کر دیکھا نہیں تھا۔

اور صوبر سے منفرد سوچ کے حامل زوار کے دل میں جگہ بنا گئی تھی۔

"چھوٹو تم سوئے نہیں؟" اسے گدگداتے ہوئے زوار بیڈ پر دراز ہوا۔

علی کھل کھل ہنسنے لگا۔

"آپ جب سے آئے ہیں۔ لفٹ نہیں کروا رہے۔ میں نے سوچا میں ہی آجاتا ہوں آپ کے پاس اور تو اور اس بار آپ میرے سب سے اچھا گفٹ لائے ہیں"۔ علی اس کی ٹانگوں پر سوار ہو چکا تھا۔

"کونسا گفٹ چھوٹو؟ میں تو اس بار کوئی گفٹ نہیں لا سکا جلدی تھی نا"۔ زوار حیرانی میں گھرا۔

"ارے بالکل ہی بدھو ہو آپ تو۔ معامی کوئی گفٹ سے کم تھوڑا ہی نہ ہیں میرے لیے۔ مجھے تو لگا تھا آپ کی شادی سے پہلے میں ہی شادی کر لوں گا مگر شکر ہے آپ کو عقل تو آئی۔ پر معامی مجھے بہت پسند آئی ہے۔ اب چاہے آپ ہمیشہ کی طرح دیر دیر سے ملنے آنا نو پرابلم میں معامی سے کام چلا لوں گا"۔ 8 سالہ علی اس سے بے حد اٹیچڈ تھا۔ اپنے دل کی ہر بات بے جھجک اس سے کہہ لیتا تھا۔

اسکی باتوں کو سمجھ کر زوار کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔ "اور یہ تمہیں کس نے کہا جو میرے ساتھ آئیں ہیں وہ تمہاری معامی ہیں؟؟؟"۔ ہنستے ہنستے اس کے پیٹ میں بل پڑ گئے تھے۔

"اب ایسے ہی تو آپ کسی کو بھی اٹھا کر تو نہیں لے آو گے نا۔ میں تو دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا۔ اتنی پیاری میری معامی ہی ہو سکتی ہیں۔ ویسے بعد میں مجھے ماما نے بھی بتایا تھا"۔ علی بڑا سمجھدار بنا زوار کے بڑے ہی لطیف سے جذبات چھیڑ گیا تھا۔ وہ رات دیر تک ماہم کی تصویر آنکھوں میں سجائے سہانے سپنے سجاتا رہا تھا۔

ماہم کو حویلی سے غائب ہوئے پورا دو دن ہو چکے تھے۔ یقیناً وہاں قہرام مچا ہو گا اسوقت اس نے سوچا تھا۔ ساتھ ہی امرحہ کی یاد بھی ستانے لگی تو زوار کا دیا موبائل ہاتھ میں لیے بغور اسکا معائنہ کرنے لگی۔ جدید ماڈل کا بالکل نیا موبائل تھا۔ اسے دیکھنے کے بعد اب اسکی قیمت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ امرحہ بات کر کے جاننا چاہتی تھی کہ آخر کسطرح ہچکولے کھا رہی ہے حویلی کے مردوں کی غیرت۔ مگر تجسس کے ہاتھوں وہ ابھی اتنی مجبور نہیں ہوئی تھی کہ ایسی بیوقوفی کر گزرتی۔

"کچھ بھی ہو جائے آپ کو کسی بھی قیمت پر مناسب وقت سے پہلے حویلی میں کسی سے بھی رابطہ نہیں کرنا"۔ اسے زوار کا رٹایا ہوا سبق یاد آیا وہ بستر نشین تھی۔ رات کا وقت تھا۔ زوار صبح ہی حاصل پور جا چکا تھا۔ آج کا سارا دن اس نے عائشہ کے ساتھ گزارا تھا۔ اسے کسی طرح بھی یہاں آکر اجنبیت کا احساس نہیں ہوا تھا۔ یہ جائے پناہ اسے حقیقی گھر جیسی معلوم ہوئی تھی۔ جہاں عورتوں کو جانور سمجھ کر کھونٹے سے باندھنے کا رواج نہیں تھا۔ جہاں عورت کا کام بس حکم سننا اور عمل پیرا ہو جانا نہیں تھا۔ اس نے یہاں کی عورت کو بالکل منفرد پایا تھا۔ اپنے مرد سے برابری کا تعلق نبھاتی عائشہ پر اسے رشک ہوا تھا۔

وہ ٹھیک امرحہ ہی کی ہم عمر لگتی تھی۔ مگر دونوں کے نصیب میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اب اسے آگے کا لائحہ عمل طے کرنا تھا۔

وہ یہاں صرف حویلی والوں سے پیچھا چھڑانے ہی نہیں آئی تھی۔ وہ یہاں کچھ کرنے کچھ بننے آئی تھی۔

اپنے خوابوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اب اس نے کمر کس لی تھی۔ گو کہ میدان میں اترنے میں تاحال خاصہ وقت تھا۔ مگر ارادے پختہ اور مضبوط ہو چکے تھے۔

ان ہی سوچوں میں غرق نجانے کب آنکھ لگ گئی۔وہ صبح کافی دیر سے اٹھی تھی۔شہزاد آفس اور علی اسکول جا چکا تھا۔ عائشہ چائے پینے کے ساتھ ساتھ مارننگ شو دیکھ کر لطف اٹھا رہی تھی۔ماہم نے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے صبح کا سلام پیش کیا تو اس نے بڑی خوشدلی سے جواب دیا۔ملازمہ کو اس کے لیے ناشتہ لانے کی پکار لگائی۔

"آپ بھی خاصی فٹنس کانشیس لگتی ہیں"۔انہماک سے مارننگ شو میں موٹاپہ کم کرنے کی ٹپس دیکھتی عائشہ سے اس نے تبصرہ کیا۔

"کوئی ایسی ویسی۔ہم دونوں بہن بھائی ہی فٹنس کے معاملے میں کمپرومائز نہیں کرتے۔اب مجھے دیکھو تو لگتی ہوں کہیں سے 8 سالہ بچے کی ماں"۔اپنی تعریف آپ کرکے وہ اترائی۔اور زوار کا تو پوچھو مت تم۔ایک تو اپنی ٹریننگ کرتا ہے ہر چھ مہینے میں۔ اوپر سے صبح آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلے یوگا کرتا ہے۔بالکل ہیرو لگتا ہے۔اور یہ صرف میں نہیں کہہ رہی ہمارے پورے سرکل میں اسکی مردانہ وجاہت کی دھوم ہے۔پتہ ہے اتنی لڑکیوں نے اس سے تعلقات بنانے کی کوشش کی مگر وہ ایسا ہے کہ کسی کو مڑ کر دوسری بار نہیں دیکھتا۔پتہ نہیں کس گوہر نایاب کی تلاش ہے اسے"۔عائشہ کہتے کہتے بدمزہ ہوئی۔

"مطلب موصوف نے جوانی ساری برباد کردی"۔ماہم نے ہنسی دبا کر چوٹ کی۔عائشہ نے گھور کر اسے دیکھا پھر منہ پھر گئی۔

"جوان تو وہ خیر اب بھی ہے۔تب ہی تو جب اس نے تمہارے بارے میں بتایا تو میں نے تو دل ہی دل میں تمہیں سرخ جوڑے میں سجا دیکھ بھی لیا تھا۔مگر سارے حسین و جمیل تصور کا بیڑہ غرق ہو گیا تمہارے اور پھر اس کے انکار سے۔ویسے امید میں نے ابھی بھی نہیں چھوڑی۔ارادہ بدل جائے تو بتانا۔آفر لامحدود مدت کے لیے ہے۔ویسے ماہم تم چراغ، ٹارچ، ٹیوب لائیٹ یا پورا کا پورا لائیٹ ہاوس لے کر بھی ڈھونڈو گی تو زوار جیسا لڑکا نہیں ملے گا تمہیں"۔عائشہ بولنے پر آتی تو کہاں رکتی تھی۔

سامنے والے کی حالت سے بے خبر وہ اپنا حال کہہ سنا گئی اور ماہم لال گلابی سی ہونے لگی اس سے پہلے کہاں سنی تھیں اس نے ایسی شریر چھیڑ چھاڑ والی گفتگو دل میں کچھ کچھ ہونے لگا تھا۔

بلاشبہ زوار خوبصورت ترین مردوں میں سے ایک تھا۔اور ماہم کو اس میں کوئی اخلاقی برائی بھی دکھائی نہیں دی تھی۔ورنہ ایسا شریف انسان اسے اور کہاں ملتا جو آدھی رات میں باحفاظت اسے ایک محفوظ منزل تک بغیر نگاہ اٹھا کر دیکھے یونہی پہنچا دیتا۔دل میں اس کے لیے ایک مقام سا بن گیا تھا۔

مگر عائشہ کی باتوں نے اسکی سوچوں کو منتشر کر دیا تھا۔آخر تھی تو وہ ایک نازک دل لڑکی کی۔جذبات بھی وہی۔احساسات بھی وہی۔ذہن میں چپکے سے کہیں اسکا خیال آن سمایا تو ماہم نے خود کو ڈپٹ کر ادھر ادھر مصروف کر لیا۔

وہ اچھا تھا۔ مگر وہ اس کی اچھائی کا یہ مطلب ہر گز نہیں نکال سکتی تھی۔ سوچوں پر پہرے بٹھانے ضروری ہو گئے تھے۔ اس نے عائشہ سے یونیورسٹ ء میں داخلے کے بابت پوچھا تو اس نے یہ ہی مشورہ دیا کہ زوار اس بارے میں اس کی بہتر رہنمائی کر سکتا ہے

وہ دن بھی یونہی گزر گیا تھا۔ اگلے دن وہ بصد اصرار اوپر والے روم میں شفٹ ہو گئی تھی۔ دوسرا پورشن بھی وسیع و عریض تھا اور کمرہ بھی کشادہ۔ اس کمرے میں اسے وال سائیز کھڑکی اپنی آزادی کا احساس دلانے لگی تھی۔ کھڑکی کھولے گھنٹوں وہ باہر کے نظاروں سے دل کو شانت کرتی رہتی۔ بہت دفعہ اس نے سوچا کہ وہ زوار کو فون کر لے مگر وہ اس کے گلے پر کر اب ہر وقت اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کچھ ہفتے بھر سے گھر بیٹھ بیٹھ کر وہ اکتانے لگی تھی۔ آج وہ سوچ ہی رہی تھی۔ کہ بس اب وہ زوار سے بات کر ہی لے گی کے اتنے میں اس کے موبائیل ہر بیپ بجی۔ اٹھا کر دیکھا تو بڑی سی اسکرین پر زوار کالنگ جگمگا رہا تھا۔ اپنا نمبر وہ شاید خود ہی سیو کر گیا تھا۔ اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔ خالی دماغ سچ میں شیطان کا گھر ہوتا ہے۔ اس نے بڑبڑا کر خود کو کوسا اور فون کان سے لگاتے ہوئے کال اٹینڈ کی۔

"اسلام وعلیکم "زوار کی بھاری مردانہ آواز اسکی سماعت سے ٹکرائی۔

"وعلیکم اسلام "وہ مدھم لہجے میں جواب دے رہی تھی۔

"کیسے ہیں آپ؟ آپ نے تو پلٹ کر پوچھا ہی نہیں"۔ جانے کیسا احساس تھا۔ جس نے ماہم کو شکوہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ مگر وہ بول کر خود ہی شرمندہ ہوئی۔ بھلا وہ اس کا کیا لگتا تھا۔ جو وہ اس سے ایسی بات کہتی۔

"آئی ایم سو سوری ماہم! مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپکو میری کال کا انتظار ہو گا۔ ویسے میں نے کھلے دل سے آپ کو آفر کی تھی جب ضرورت محسوس ہو آپ مجھے بے جھجھک فون کر سکتی ہیں۔ بس ادھر مصروفیت کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ میں چاہ کر بھی آپ سے رابطہ نہیں کر پایا"۔ وہ معذرت طلب کرتا توجیہ پیش کرنے لگا تو وہ لب کچل کر رہ گئی۔

"میں اب اسطرح اور کتنے دن رہوں گی؟ میں کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ میں ایڈ میش لینا چاہتی ہوں۔ ایسے وقت برباد کرنے سے کیا حاصل ہو گا"۔ اس نے اپنا مدعہ پیش کیا تو جواب میں کچھ پلوں کی خاموشی چھائی جیسے سامنے والا کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہو۔

"میرے خیال سے آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مجھے بس کچھ دن معاملہ ٹھنڈا ہو جانے کا انتظار تھا۔ مگر اب میرے خیال سے کچھ دن تو گزر ہی چکے ہیں۔ حویلی بلایا بھی تھا مجھے وقار شاہ نے اس سلسلے میں۔ میں حیران ہوں اس نیا تنی بڑی بات مجھ سے کیسے کر لی۔ مگر اب وہ میری مدد چاہتا ہے اس معاملے میں۔ اگر تم غلط ہوتیں تو یقینا میں اس کی مدد کرتا۔ مگر وہ غلط ہے۔ اور اسکا نظریہ بھی۔ اب تمہاری سیفٹی کی خاطر مجھے بظاہر تو اسکی مدد کرنی ہے۔ لیکن دراصل میں اسے تم تک پہنچنے سے روکنے کی ہر ممکن سعی کر تا رہوں

گا۔ پھر چاہے مجھے اس کے لیے اسے گمراہ کیوں نہ کرنا پڑے"۔ اس اطلاع پر ماہم کا دل سخڑ کر پھیلا تھا۔ زوار کے حوصلہ دیتے لفظوں نے اس کے خوفزدہ وجود کو ڈھارس بندھائی تھی۔ زوار نے جلد آنے کا کہا تو اس نے بے دلی سے فون کاٹ دیا۔

اس کے خیال میں تو وہ شاید بہت دنوں بعد ہی آنے والا تھا۔ مگر حیرت اسوقت ہوئی جب اگلی ہی رات تقریباً ڈھائی بجے گاڑی گیراج میں پارک کرتے دیکھا۔ اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ تو وہ کمرے کی کھڑکی میں کھڑی رات کی تاریکی میں اس پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ جب ہی گیٹ سے وہ نمودار ہوتا دکھائی دیا۔ یہ غیر مناسب تھا۔ مگر پھر بھی وہ نیچے اس سے ملنے چلی آئی تھی۔ گھر میں سب سو رہے تھے۔ زوار دبے پاوں اندر داخل ہوا تھا۔ مگر ماہم کو سیڑھیوں پر کھڑا دیکھ کر ٹھٹھک کر رک گیا۔ وہ اب نیچے آچکی تھی۔ زوار نے دل کے ہاتھوں مجبور بڑے ہی شوق سے کتنے ہی پل اس کے دیدار میں صرف کیے۔

"آپ اسوقت یہاں!" ماہم حیرت وہ جذنات کی ملی جلی کیفیت میں تھی۔

"کیوں میرا اسوقت یہاں آنا ممنوع ہے"۔ زوار نے بڑی ترنگ میں سوال داغا وہ سٹپٹائی۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ آپ کچھ دن تک آئیں گیں"۔ اس نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

اب وہ اسے کیا بتاتا کہ اس سے کچھ دن کا انتظار ہی نہیں ہوا تھا۔

"بس مجھے وقت مل گیا تو میں چلا آیا۔ خیریت سوئی نہیں آپ؟"۔

"بس ہونہی دل گھبرا رہا تھا۔ نیند نہیں آرہی تھی"۔ اس نے سچ کہا۔

"ویری گڈ۔ مجھے بھی نیند نہیں آرہی۔ اچھا ہے بیٹھ کر آرام سے سارے مسائل ڈسکس کرتے ہیں۔ میں فریش ہو جاتا ہوں۔ پلیز ایک کپ چائے مل جائے اگر!" وہ اگر پہ زور دیتا اس کے روپ پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔

"ضرور" وہ کہہ کر کچن کی جانب بڑھ گئی تھی۔ زوار فریش ہو کر آیا تو چائے تیار اور ماہم اسکی منتظر تھی۔ وہ گارڈن میں چلا آیا تھا۔ ماہم نے چپ چاپ اسکی تقلید کی تھی۔ اسے زوار پر انجانا سا اعتماد ہونے لگا تھا۔ وہ اس کے ساتھ خود کو محفوظ تصور کرتی تھی۔ وہ آدھی رات کو گارڈن میں بیٹھے محو گفتگو تھے۔

"واہ! ماننا پڑے گا۔ چہرے پر معصومیت، ذات میں دم اور ہمت کے ساتھ ساتھ، ہاتھ میں ذائقہ بھی ہے"۔ چائے کا سپ لیتے ہی اس نے اعتراف کیا ماہم کے دل میں اسکی اتنی تعریف پر کھد بد سی مچی تھی۔

"ہاں تو اب زرا تفصیل سے بتائیں کیا کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں آپ آگے"۔ وہ سنجیدہ ہوا۔

"میں پروفیشنل فوٹوگرافر بننا چاہتی ہوں۔ اپنے ٹیلنٹ کے جوہر ایک مشہور ترین کمپنی کو بھیج چکی ہوں۔ بہت وقت گزر چکا ہے۔ کوئی جواب نہیں آیا اور میرے خیال سے اس فیلڈ میں مجھے خاصی سٹرگل کرنی پڑی گی اب اندازہ ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ اور

کچھ بھی کرنا چاہیئے مجھے مگر میں فیصلہ نہیں کر پا رہی"۔ ماہم نے اپنی کشمکش کا تذکرہ کیا تو اسے گہری سوچ میں ڈوب کر ہنکارہ بھرا۔

" ہمممم! میرے خیال سے ایک فیلڈ ایسی ہے جو آپ کے لیے بیسٹ ہے۔ لاء! آپ کو لاء کرنا چاہیئے۔ آپ انصاف کے محاذ پر نکلی ہیں تو آپکو انصاف کا علمبر دار ہی بننا چاہیئے۔ بہت سی ان لڑکیوں کے لیے ذریعہ نجات ہونا چاہیئے جو تنہا اپنے حق کی جنگ نہیں لڑ سکتیں"۔

اس کی بڑی مشکل زوار نے چند منٹوں میں حل کر دی تھی۔

"تو پھر اس بار حاصل پور جانے سے پہلے مجھے لاء یونیورسٹی میں ایڈمیشن دلاتے جائیں"۔ ماہم نے فوراً اس کی بات پر اپنا فیصلہ اس تک پہنچایا۔

وہ دونوں کچھ دیر مزید بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے۔ بنا وہم کیے کے کوئی بڑی ہی گہری نظروں سے ان کا جائزہ لے رہا تھا۔ یا پھر ان کے جذبات وہ احساسات کی عکاسی کرتے ان کے چہروں کو بغور پڑھنے میں مصروف تھا۔

"واہ مہینوں گھر کو بھولے رہنے والے زوار میاں ایک ہفتے میں دوسری مرتبہ گھر لوٹ آئے ہیں، دال میں کچھ کالا تو ہے"۔ اگلے دن عائشہ نے اس کے روبرو کھڑے ہو کر اس پر چوٹ کی۔

"ارے بیگم صاحبہ! یہ کیا ظلم کر رہی ہیں۔ آپ پنجاب پولیس پر شک؟ توبہ کیجیے توبہ۔ بتاو میاں! پولیس پر شک کرو تو کونسی دفعہ لگتی ہے؟"

شہزاد بھی آج خاصے موڈ میں تھا۔

"پولیس پر شک کرو تو دفعہ لگتی ہو گی۔ میں تو اپنے اکلوتے بھائی پر شک کر رہی ہوں۔ کچھ بدل رہا ہے۔ لگتا ہے موسم اب کی بار خوب ہی بہاریں ساتھ لے کر آئے گا۔ پھول اس مرتبہ زیادہ کھلیں گیں۔ آسمان پر چھائے کالے بادل چھٹ جائیں گیں اور آسمان صاف دکھائی دینے لگے گا"۔ بظاہر وہ باہر بگڑتے موسم کے حالات حاضرہ پر تبصرہ گو تھی۔ لیکن اندر ہی اندر سب کو معلوم تھا۔ وہ کس پر نشانہ تانے کھڑی تھی۔

"مامی آپ وہاں کیوں کھڑی ہیں؟ آئیں نہ"۔ وہ سب لاونج میں محفل لگائے بیٹھے تھے۔ ماہم نیچے آئی تھی لیکن ان کی باتوں کی توپوں کا رخ دیکھ کر بھاگنا ہی چاہتی تھی۔ کے علی نے روک لیا اور پکار بھی ایسی کہ وہ سب کے سامنے خجل ہو کر رہ گئی۔ جب سے وہ آئی تھی علی سے کم ہی سامنا ہو رہا تھا۔ صبح اس کے جاگنے سے پہلے وہ اسکول جا چکا ہوتا۔ دوپہر میں آتا کھانا کھاتا، آرام کرتا پھر ٹیوشن اور اس کے بعد قاری صاحب گھر پر آتے تھے اسے پڑھانے۔ شام کو کمپیوٹر ٹی میں لگ جاتا اور 9 بجے تک سو چکا ہوتا اس بیچ میں دو چار بار وہ فرصت سے ساتھ کھیلے تھے۔ دونوں میں اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ تب بھی علی نے ایک بار اسے مامی بلایا تھا۔ اس نے

ہنس کر ٹال دیا مگر آج تو حد ہی ہو گئی تھی۔

"ارے آو آو! ہماری بیگم صاحبہ نے تازہ تازہ محکمہ موسمیات جوائن کر لیا ہے تم بھی آ کر گرجتے برستے بادلوں کا حال سنو"۔ شہزاد نے اس مخاطب کیا تو وہ بھاگنے کا ارادہ ترک کرتی ان کے ساتھ آ بیٹھی۔

"ویسے بڑی ترقی ہو رہی ہے۔ آپا نے محکمہ موسمیات کا انچارج سنبھال لیا اور ماہم عدالت میں کرسی نشین ہونے جارہیں ہیں"۔ زوار نے اطلاع بہم پہنچائی تو سب نے اسے شاباشی دی۔

موسم خوشگوار تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ زوار کی ہمراہی میں ایڈمیشن کے لیے رخصت ہو چکی تھی۔ ساری فارمیلٹیز پوری ہو چکیں تو وہ واپسی کے سفر پر مڑے، لیٹ فیس کے ساتھ اسکا ایڈمیشن ہو گیا تھا۔ وہ کل سے ہی جوائن کر سکتی تھی۔ کتابیں، نوٹ بکس، ضروری چیزیں راستے میں ایک بک سٹور پر رک کر زوار نے خود اس کے لیے لیں تھیں۔

وہ زیادہ دن رک نہیں سکتا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ وقت ماہم کی سنگت میں گزارنا چاہتا تھا۔ اس لیے بصد اصرار اس کے منع کرنے کے باوجود وہ اسے آئیس کریم پارلر لے آیا تھا۔

"ویسے آپ نے اب تک شادی نہیں کی؟" ماہم نے باتوں باتوں میں پوچھا۔ یوں بھی وہ اب بہت حد تک بے تکلف ہو چکے تھے۔

"بس اب سے پہلے کوئی ایسا ملا نہیں" وہ بیساختہ کہہ گیا۔

"اب کوئی مل گیا ہے"۔ ماہم نے فوراً اس کی بات پکڑی۔

"ہاں کوئی ملا تو ہے۔ مگر دسترس سے بہت دور ہے۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے اسکی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا"۔

"کیا وہ نہیں مانتی؟ لیکن آپ اچھے خاصے انسان ہیں۔ ہینڈسم بھی ہیں اچھی پوسٹ پر ایمانداری سے قائم ہیں۔ محبت اور عزت کرنے والے ایک منفرد مرد ہیں ایک لڑکی کو اس سے زیادہ کیا چاہیئے ہوتا ہے"۔

"تم دعا کرو نہ میرے لیے، تمہارا خون کچھ بھی ہو اعلی تو ہے۔ تسلیم کرنی والی بات ہے۔ تمہاری دعا میں اثر بھی زیادہ ہو گا۔ پھر سنا ہے تم لوگوں کا تو دم درود بھی چلتا ہے بہت۔ ایک تعویز میرے نام بھی لکھ دو"۔ اس نے بات کا رخ اسکی جانب موڑا وہ آئیس کریم کھاتے کھاتے رک گئی۔

"اللہ ذات مرتبہ اور نسل دیکھ کر نہیں سنتا۔ اللہ نیت دیکھتا ہے خلوص چاہتا ہے"۔ اسے زوار کی رائے سے انکار تھا۔ سو تردید کی۔

"اور میں نے کبھی تعویز دھاگے نہیں کیے ہیں۔ ہاں لیکن آپ کے لیے دعا ضرور کروں گی کہ وہ جو کوئی بھی آپ کی

قدر دان ہو جائے"۔ اس نے کہتے ساتھ ہی آئیس کریم ختم کر لی تھی وہ دونوں اٹھ کر گھر کی ڈگر پر روانہ ہوئے اس دن زوار واپس چلا گیا تھا۔ وہ زیادہ دن وہاں رک نہیں سکتا تھا۔ ماہم کو روز صبح شہزاد یونیورسٹی کے گیٹ کے اندر تک چھوڑ کر آتا تھا۔ اور عائشہ واپسی پر اسے لینے خود جاتی تھی۔ ڈرائیور کے ہمراہ واپس آتی تو تھکی ہاری ہوتی پھر بھی اسے عائشہ کے ساتھ وقت گزانا بہت اچھا لگتا تھا۔ ان کی دیکھا دیکھی وہ بھی شاہزیب کو بابا ہی پکارنے لگی تھی۔ وہ بھی دھیرے دھیرے جیسے اسے اپنا کر نارمل سے ہو گئے تھے۔

ماہم ان کو اب روز عائشہ کی جگہ کتابیں پڑھ کر سنایا کرتی تھی۔ اور وہ عائشہ کی طرح اس کام سے بیزار ہرگز بھی نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے انھیں بھی اچھا لگتا۔ نظر شدید کمزور ہونے کے باعث موتیہ اتر آیا تھا۔ وہ کچھ بھی پڑھنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ جلد ہی ان کا آپریشن ہونے والا تھا۔ یوں ہی دن پر دن گزرتے چلے جا رہے تھے۔ موسم بہار آیا گزرا اور چلا گیا اپریل کے آخری دن چل رہے تھے۔ مہینے سے اوپر دن ہو گئے تھے۔ زوار اس روز کے بعد سے نہیں آیا تھا۔ ماہم کی زندگی ایک روٹین پر آگئی تھی۔

زوار البتہ باقاعدگی سے ہر دو تین روز کے وقفے سے فون کر کے سب خیریت پوچھ لیا کرتا تھا۔

اب جیسے اس فون کی اسے عادت سی ہو گئی تھی۔ تین چار دن شاید زوار کے مصروفیت میں گزرے وہ بات نہیں کر پایا تھا۔ ماہم کو عجیب سی بے چینی گھیرنے لگی اس شخص میں کچھ تو ایسی بات تھی۔ ایک عجیب سی کشش تھی۔ جو ماہم کو اپنے گرد کھنچے چلی جا رہی تھی۔ اسے اپنے بڑے بڑے دنیا پلٹنے کے دعوے ہوا ہوتے نظر آرہے تھے۔ پھر بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے اسے فون کر لیا تھا۔ اس ایک فون نے زوار کو کیسی خوشی فراہم کی تھی۔ وہ کبھی جان ہی نہیں سکتی تھی۔

ہفتہ بھر مزید گزرا تو ماہم کو جاب کا لیٹر مل گیا۔ جس کمپنی میں اس نے اپلائے کیا تھا۔ تاخیر سے ہی سہی مگر انھوں نے ماہم کے کام کو سراہا تھا۔ اور اسے اپنی کمپنی میں جاب کی آفر کر دی تھی۔ میل پڑھ کر وہ جھوم اٹھی خود اس نے زوار کو اطلاع دی تو وہ اس کی خوشی میں اس سے زیادہ خوش ہوا۔

اس نے اس بار ہفتے بھر کی چھٹی لی تھی۔ وہ آیا تو سب نے باہر ڈنر کا پروگرام ترتیب دے دیا۔ وہ اسوقت فائیو سٹار ہوٹل میں بیٹھے پر تکلف ڈنر کر رہے تھے۔

علی کی غلطی سے زرا سا ساس اس کے کپڑوں پر جا گرا تو وہ معذرت کرتی واش روم کے لیے اٹھ گئی۔ زوار بھی اس کے پیچھے ہی اٹھ کر چلا آیا تھا۔ وہ جونہی واش روم سے برآمد ہو کر لابی میں آئی تو سامنے ہی ایک میز پر وقار شاہ کو کسی لڑکی کے ساتھ بڑی بے تکلفی سے بیٹھے دیکھ کر اسے لگا اس کے ہاتھ پاوں سے جان ہی نکل گئی ہو۔ اتنے میں اس کے منہ پر مضبوطی سے ہاتھ جما کر اسے کھینچتے ہوئے کوئی دروازے کی اوٹ میں ہوا تھا۔ اس نے دیکھا تو سامنے زوار کھڑا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اسکے کانپتے لرزتے وجود میں ہمت آئی تھی۔

وہ اسے پچھلے دروازے سے لے کر نکل گیا تھا۔ اس نے راستے میں شہزاد کو فون کر کے ساری بات سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہ بھی ان کے پیچھے ہی نکل آئے تھے۔

"آج اگر لالہ مجھے دیکھ لیتا تو۔۔۔" سوچ کر ہی اسے کے رونگٹے کھڑے ہوئے۔

"تم گھبراو مت۔ کچھ نہیں ہو گا میں ہوں نا۔ ہم وہاں سے کافی دور آچکے ہیں ویسے بھی اس نے تمہیں نہیں دیکھا تھا"۔ زوار نے اسے تسلی دی۔

"لالہ کے ساتھ کون تھا"۔ اس کے سوال پر زوار کو چپ سی لگ گئی۔

"تنزیلہ، اسکی بیوی!" گہری سانس خارج کرتے اس نے ماہم کے لیے آگہی کا نیا در کھولا۔

"کیا؟ لالہ نے پہلے سے شادی کر رکھی تھی"۔ ماہم کو گہرا صدمہ ہوا۔

"زوار میں بہت دن سے آپ سے کہنا چاہتی تھی۔ مگر میں اندر ہی اندر ڈر رہی تھی۔ میں نے امرحہ آپا سے رابطہ کیا تھا۔ میں ان سے ایک بار ملنا چاہتی ہوں۔ میں بہت پریشان سی رہنے لگی ہوں۔ بے چین ہو کر سو نہیں پاتی راتوں کو۔ شاید ان سے مل کر میرے دل کو سکون ملے۔ آپ مجھے ملوائیں گیں نہ؟ آپا سے"۔ وہ آس بھرہ نگاہوں سے اسے تکتی سراپہ سوال تھی۔ زوار کو انکار کرنا مشکل لگا۔ وہ اسے امرحہ کے بارے میں سب کچھ بتا چکی تھی۔ ایک وہی تو تھی جس نے اس کا ساتھ دیا تھا۔

"ٹھیک ہے ماہم میں اس بارے میں کچھ سوچتا ہوں تم فکر مت کرو"۔ زوار نے اسے تسلی دی۔ ماہم کی وہ رات آنکھوں میں کٹی تھی۔

بلاشبہ زوار نے اس کی حفاظت کی تھی۔ مگر کب تک وہ اسے چھپائے پھرتا رہے گا اس سوچ نے اسے مضطرب کر دیا تھا۔ آج اگر وقار شاہ اسے دیکھ لیتا تو شاید پھر زوار بھی کچھ نہ کر پاتا آخر وہ اس کا لگتا کیا تھا۔ اس آخری بات پر اس کا دل دکھا تھا۔ وہ جو اس کے لیے سب کچھ کر گزرنے کو تیار تھا۔ اس کے سنگ سنگ قدم اٹھاتا اسکا سہارا بنا کے خوابوں، خواہشوں کو پانے میں اس کی مدد کر رہا تھا۔ اس سے اسکا کوئی تعلق نہیں تھا۔ مگر پھر بھی دل میں انجانا سا تعلق پنپنے لگا تھا۔

آج بابا کا آپریشن تھا۔ شہزاد اور عائشہ ہاسپٹل میں تھے۔ زوار ماہم کے ساتھ گھر پر ہی رکا تھا۔ علی اسکول گیا ہوا تھا۔

عائشہ کھانا نہیں بنا کر گئی تھی۔ زوار کو بھوک لگی تھی۔ اس نے ماہم سے کھانے کا پوچھا۔

"آپ جو کھانا چاہتے ہیں میں بنا دیتی ہوں"۔ اس نے آفر کی۔

"ایسا کرتے ہیں مل کر بناتے ہیں کچھ۔ تم بتاو کیا کھانا پسند کرو گی"۔ وہ الٹا اسی کو فراخ دلی دکھانے لگا۔

"چکن پاستہ"۔ ماہم نے فوراً اپنی پسند بتائی۔

"گریٹ! اسکا مطلب ہے تمہیں اٹالین فوڈ بہت پسند ہے"۔

وہ بازو فولڈ کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ ہی دیر میں وہ دونوں کچن میں مل کر کھانہ تیار کر رہے تھے۔

"واہ! اتنی مہارت سے کام کر رہے ہیں آپ۔ کلنگ آتی ہے کیا آپکو؟" اسے بڑی نفاست سے کام کرتے دیکھ کر وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔ خود تو اس نے کبھی کھانہ بنایا ہی نہیں تھا۔ حویلی میں تو اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اور یہاں جب سے وہ آئی تھی۔ عائشہ اس کے ناز نخرے اٹھاتے تھکتی نہیں تھی۔

"جہاں بھی پوسٹنگ ہوتی ہے۔ ملازموں کے ہاتھ کا پکا کھا کھا کر جب تنگ آجاتا ہوں تو خود کچھ بنالیتا ہوں بس اسی طرح سیکھتے سیکھتے سیکھ گیا ہوں"۔

پاستہ بڑا لذیذ تھا۔ دونوں نے کھانہ ایک ساتھ کھایا تھا۔

علی آگیا تو زوار اس کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ شام ہوئی تو زوار علی کو قاری صاحب کے پاس چھوڑتا اوپر چلا آیا ماہم کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اور وہ نماز پڑھنے میں مصروف تھی۔ وہ کتنی ہی دیر اس کے پرنور چہرے کو دیکھتا رہا تھا۔ پھر بنا اس سے ملے ہی چلا گی۔

وقت تھوڑا مزید سرکا۔ بابا گھر آچکے تھے۔ زوار کی چھٹی ختم ہونے کو تھی۔ ماہم پارٹ ٹائم فرم جوائن کرنے والی تھی۔ جانے سے پہلے زوار ماہم سے کیا قول نبھانا چاہتا تھا۔ ماہم نے امرحہ کو اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ کسطرح زوار نے اس کو پناہ دی تھی۔ تحفظ دیا تھا۔ امرحہ نے سطلج کے پل پر ملنے کا کہا تھا۔ وہ حاصل پور سے زیادہ دور نہیں آسکتی تھی۔ زوار کو تعامل تو ہوا تھا مگر پھر وہ مان گیا تھا۔ وہ شام کو نکلے تو آدھی رات کو سطلج پر آموجود ہوئے جہاں امرحہ پہلے سے ان کی منتظر تھی۔

دونوں بے چینی سے ملیں تو جیسے قرار آیا۔ زوار پشت پر ہاتھ باندھے ان کے قریب ہی چاک و چوبند کھڑا تھا۔

"یہ زوار ہیں میں نہ آپکو بتایا تھا نہ"۔ ماہم نے امرحہ سے اسکا تعارف کروایا تو امرحہ نے اسے سلام کیا۔ اس نے بھی خوشدلی سے جواب دیا تھا۔

"آپ نے بنا کسی مقصد کے ماہم کی اتنی مدد کی۔ اسکا خیال رکھا۔ اپنے گھر میں جگہ دی۔ اس کے لیے میں آپکی بے انتہا مشکور ہوں۔ آپ نہ ہوتے تو شاید ماہم اتنی محفوظ نہ ہوتی"۔ وہ اسکی شکر گزار ہوئی۔ وہ مسکراتا رہا۔

کچھ دیر وہ ماہم سے محو گفتگو رہی پھر رخصت کا وقت قریب آیا تو زوار سے مخاطب ہوئی۔

"میں نہیں جانتی آپ نے ماہم کے لیے اتنا سب کچھ کیوں کیا مگر آج آپ سے مل کر اندازہ ہو رہا ہے۔ آپ وہی انسان ہیں جو شاید ہمیشہ ہمیشہ کے کیسے ماہم کا نصیب بدل سکتا ہے۔ پتہ نہیں کیوں ایسا کیا ہے۔ کہ مجھے آپکی آنکھوں میں ماہم کے لیے ہمدردی

سے بڑھ کر کچھ خاص جذبات دکھائی دے رہے ہیں اور اگر میں غلط نہیں ہوں تو آپ سے میری التجا ہے۔ ماہم کو اپنا لیجئے"۔

"آپا! آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ ایسا ویسا کچھ نہیں"۔ ماہم شرمندہ سی ہوتی بولی۔

"جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے"۔ زوار کے دل میں ہوک اٹھی۔

"ماہم تم ابھی شاید اندازہ نہیں کر سکتی مگر میں دیکھ سکتی ہوں۔ حویلی کے باسی کس طرح تمہارے خون کے دشمن بنے پھر رہے ہیں۔ مان لو۔ کسی دن کسی کے ہتھے چڑھ گئی تم، تو کیا ہو گا۔ کس رشتے سے کوئی تمہارے پیچھے تمہیں بچانے آئیگا؟ دیکھو! میں تمہیں مجبور نہیں کر رہی بالکل بھی نہیں۔ مجبوریوں کی قید سے تو تم نے اتنی مشکل رہائی حاصل کی ہے۔ تم اتنی بیوقوف ہو یا میں اتنی دور اندیش مجھے یہ بھی نہیں پتہ مگر یہ جو بنا چوں چرا اں کیے چپ کھڑا ہے۔ قدم قدم پر تمہیں سمبھالنے والا یہ فرشتہ نہیں۔ مگر تمہارے لیے یہ تمہارا فرشتہ ضرور ہے۔ ماہم آنکھیں کھول کر دیکھو اس کے دل میں کیا ہے تمہارے لیے اور تمہیں اس سے بہتر جیون ساتھی شاید نہ مل پائے۔ میں نے صرف سجھاو پیش کیا ہے۔ فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔ تم دونوں کو باہمی رضامندی سے ایک دوسرے کا خیال رکھنا۔ میں اب چلتی ہوں"۔ وہ بات پوری کر کے چلی گئی تھی۔ اور وہ دونوں ٹھاٹھیں مارتے دریا کی آواز میں گم خاموش سے کھڑے رہ گئے تھے۔

"ماہم شاید مجھے اس سے اچھا موقع مل جائے تم سے بات کرنے کا۔ مگر کل کس نے دیکھی ہے۔ میں تمہارا بھروسہ جیت کر ہی تم سے اپنے دل کی بات کہنا چاہتا تھا۔ لیکن یقین جانو جب سے وقار شاہ والا واقع پیش آیا ہے۔ میں راتوں کو سو نہیں پاتا"۔ اس نے آگے بڑھ کر ماہم کا ہاتھ تھام لیا وہ حیران سی اسے تکے جا رہی تھی۔

"میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں ماہم۔ تب سے جب سے پہلی بار تمہیں دیکھا تھا۔ تمہارا جرات مندانہ انداز مجھے پہلی ملاقات میں ہی بھا گیا تھا۔ مگر مجھے اپنے اور تمہارے درمیان کے فاصلے کا علم تھا ہمیشہ سے۔ لیکن تم وہ قید چھوڑ آئیں تو مجھے تم تک پہنچنے کا راستہ پھر سے دکھائی دیا۔ اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کے میں نے تم پر یہ ساری نوازشیں تم سے بدلے کی امید رکھ کر کیں۔ میں نے تمہیں پروٹیکٹ کرنے کی کوشش کی تھی۔ بس تم میرے لیے ایک قیمتی ہیرا ہو اور اس ہیرے پر کوئی بھی آنچ کوئی بھی داغ میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔ میں تمہیں پورے دل سے اپنانا چاہتا ہوں۔ لیکن میں چاہتا ہوں تم یہ فیصلہ کسی دباو میں نہ کرو۔ اپنی مرضی سے تم جو بھی طے کرو گی مجھے قبول ہو گا"۔ وہ چاہت کے رنگ چھلکاتا نظروں سے اس پر محبت لٹاتا اس پر اپنے دل کا راز آشکار کر رہا تھا۔

اور ماہم کو تو گویا اپنی قسمت پر یقین ہی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ جو چاہ رہی تھی، خدا اس پر اتنا مہربان ہوا تھا۔ کہ اس کہ جھولی میں بن مانگے ہی سب ڈالتا ہی چلا جا رہا تھا۔

"زوار مجھے کچھ وقت دیجیے۔ میں اتنا بڑا فیصلہ یکدم نہیں کر سکتی۔ بلاشبہ آپ ایک اچھے انسان ہیں۔ اس دنیا کہ وہ واحد مرد جن کی میں تہہ دل سے عزت کرتی ہوں۔ مگر میں آپکو آپکی اس اچھائی کے بدلے اپنی خود غرضی کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتی۔ آپ جانتے ہیں میری زندگی سے کیا کیا کچھ جڑا ہوا ہے۔ آپ میری زندگی سے جڑی کئی کہانیوں سے تا حال ناواقف ہیں"۔ وہ اسکی گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگاتی، اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ سے جدا کرتی ٹھنڈی فضاؤں کو اپنے اندر اتارنے لگی تھی۔

"کیسی کہانیاں؟" زوار نے پوچھا۔

"بہت سی کہانیوں میں ایک کہانی مایا پھپھو کی بھی ہے۔ عشق میں کھوئیں اور پھر اپنا عشق ہی کھو بیٹھیں۔ زوار میں آپکو کھونا نہیں چاہتی آپ میرے لیے قدرت کا انعام ہیں۔ میں آج بھی وہ راتیں نہیں بھول سکتی جب مایا پھپھو رات رات بھر اس قید میں چلاتی تھیں۔ اور وہ اپنے لیے نہیں چلاتی تھیں۔ زوار ان کی آہ پکار میں بس ایک نام بسا تھا۔"

"شاہزیب۔ پتہ نہیں وہ شخص زندہ ہے یا نہیں۔ مایا پھپھو نے جتنی سانسیں لی بس ایک ہی امید میں لی کے کہیں سے کوئی آئے اور ان کو شاہزیب کے زندہ ہونے کی خبر سنا دے۔ مگر کوئی تھا ہی نہیں۔ ہاں ایک زہر کا پیالہ تھا۔ جس نے انھیں اس کرب سے نجات دلائی۔" ماہم کی آنکھوں میں رنج و غم سے شبنم کے موتی جھلملانے لگے تھے۔

زوار چونکا اور پھر لب بھینچ گیا وہ ماہم کے اس سوال کا جواب جانتا تھا۔ مگر وہ اسے کیا بتاتا کچھ بتانے لائق رہا ہی نہیں تھا۔

باقی کا راستہ خاموشی کی نظر ہوا تھا۔ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گھرے رہے تھے۔ گھر پہنچ کر اندر جانے سے پہلے ماہم لب کچلتی ہوئی اس کی جانب مڑی تھی۔ وہ گاڑی سے چابی نکالتا باہر نکل رہا تھا۔

"زوار میں نکاح کے لیے تیار ہوں"۔ الفاظ تھے۔ یا کوئی جادوئی طلسم۔ زوار کے چہرے پر ایک لمحے میں محبت کے کئی رنگ آ کر بکھر گئے تھے۔

"مگر صرف نکاح۔ آپ میری پروٹیکشن چاہتے ہیں اور میں آپکی زندگی۔ اس کے لیے ابھی یہ ہی بہتر ہو گا"۔ ماہم کہہ کر رکی نہیں تھی۔ اور وہ پیچھے کھڑا مخمصے میں پڑ گیا اب یہ صرف نکاح کا کیا مقصد تھا۔

******

"زوار تم سب کچھ جانتے بوجھتے ایسا کیسے سوچ سکتے ہو"۔ زوار نے اپنا اور ماہم کا مشترکہ فیصلہ شاہ زیب کے گوش گزار کیا تو وہ پریشان ہوئے۔

"بابا آپ اپنی محبت کو نہیں بچا سکے میں مانتا ہوں۔ لیکن بابا میرے پیروں میں آپ کی طرح مجبوریوں کی کوئی بیڑیاں نہیں

ہیں۔ میں نے محبت کی ہے۔ اور خوش قسمتی سے ماہم مجھے کسی بن مانگی نعمت کی طرح، قدرت کا تحفہ بن کر مل بھی رہی ہے۔ میں بزدلوں کی طرح موت سے ڈر کر پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں بابا۔ قول کیا ہے تو آخری سانس تک نبھاوں گا"۔ زوار اپنے فیصلے پر ڈٹا ہوا تھا۔

"اس رات میں بھی اپنا قول آخری سانس تک نبھاتا زوار۔ جب وہ میری مایا کو مجھ سے چھین کر لے جا رہے تھے۔ مگر اپنے ماں باپ جیسے، بھائی بھابھی کی لاش مجھے ہاتھ جوڑے مجھ سے منتیں کرتی دکھائی دے رہی تھی۔ تم اور عائشہ آج یوں اس مقام پر نہ ہوتے اور اب میری ساری قربانیاں ایک ہی جھٹکے میں جانے دے رہے ہو"۔ ان کے چہرے پر جا بجا بکھری جھریوں میں بھی وہ ان کے چہرے پر لکھا دکھ پڑھ سکتا تھا۔

"بابا آپکی قربانی کے امر ہونے کا وقت آچکا ہے۔ ایسا نہیں لگتا آپ کو خدا یہ کہانی ایک بار پھر سے دوہرا رہا ہے۔ ماہم کا لہو میم مایا کے لہو سے تو جڑا ہوا ہے۔ آپکو ایسا نہیں لگتا جیسے قدرت نے آپکو ایک اور موقع دیا ہے۔ اپنی محبت سے انصاف کرنے کا۔ بابا حاصل پور کی اس حویلی میں بنی مایا کی قبر کی مٹی بھی آپ کے انتظار میں سوکھ گئی۔ بابا آپکا انتظار تو ختم ہو رہا ہے اب جب ماہم کی زندگی بچانے کا موقع ملا ہے۔ شاید اسی بات پر آپ کی مایا آپ کو معاف کر دیں"۔

اسی طرح کے دلائل دے کر اس نے انھیں قائل کر لیا تھا۔ عائشہ کو تو تمنا ہی اسی دن کی تھی۔ علی کی زبان ہی مبارک ثابت ہوئی تھی۔

صرف نکاح ہوگا گھر کے لوگوں کی ہی موجودگی میں۔ اس کے نئے شوشے پر عائشہ تپ گئی تھی۔ اکلوتے بھائی کی شادی پر ایسی سادگی اس نے دھوم دھڑ کا تصور کر رکھا تھا۔ مگر اسے بھی ماننا ہی پڑا تھا۔ بنا کسی تاخیر کے زوار نے دو دن بعد ہی نکاح فکس کروا دیا تھا۔ اور ماہم یوں تھی۔ جیسے کچھ بدلا ہی نہ ہو۔

دو روز بھی شاپنگ کرتے جیسے پر لگا کر اڑ گئے تھے۔ مئی کی گرمی اب بڑھنے لگی تھی۔ زوار نے ماہم کے نکاح کا جوڑا خود پسند کیا تھا۔

گولڈن کلر کی خوبصورت کڑھائی سے مزین میکسی میں وہ کوئی اپسرا ہی لگ رہی تھی۔ خوبصورت گہرا میک اپ اس کے تیکھے نقوش کو مزید اجاگر کر رہا تھا۔ سرخ لپ اسٹک تو مانو تابوت میں آخری کیل کا سا کام کر رہی تھی۔ نکاح شام کے سات بجے ہوا تھا۔ زوار کے چند قریبی دوست گواہ کی حیثیت سے شامل ہوئے تھے۔ خاطر تواضع میں کوئی کمی نہیں رہی تھی۔ وہ بھی جا چکے تھے۔ ماہم کو عائشہ زوار کے کمرے تک خود چھوڑ کر آئی تھی۔

کمرے بھی محفل کی طرح سادگی سے بھرپور ہی تھا۔

عائشہ کے جاتے ہی زوار اندر داخل ہوا تھا۔ وہ سامنے ہی ڈریسنگ ٹیبل کے قریب کھڑی دکھائی دی۔ وہ اسکی پشت پر جا کھڑا ہوا۔۔ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں آپ اتنی خوبصورت کہ مجھے اپنی قسمت پر یقین ہی نہیں آرہا"۔ اس کے لفظوں کا اثر تھا۔ ماہم کے چہرے پر حیا کے رنگ نمودار ہونے لگے۔

"ویسے ڈونٹ وری مجھے نکاح کو صرف نکاح تک محدود رکھنے والی آپکی شرط یاد بھی ہے۔ اور منظور بھی۔ پتہ ہے کیوں؟" وہ توقف کے لیے رکا پھر شکر گزار ہوتا بولا۔

"کیونکہ اللہ نے ہمارا ساتھ لکھ دیا ہے۔ یہ اسکا فیصلہ ہے جسے کوئی ٹال نہیں سکتا"۔ وہ خوش تھا۔ کہہ کر صوفے پر دراز ہوتے ہی نیند کی وادی میں غرق ہوا۔ ماہم اسے رات دیر تک دیکھتی رہی تھی۔ واقعی ان کا ساتھ اللہ نے لکھ دیا تھا۔ وہ سوچ کر معترف ہوئی۔

زوار کو واپس جانا تھا۔ لیکن عائشہ بضد تھی۔ وہ نہیں جا سکتا۔

"تمہیں تو ماہم کو لے کر ہنی مون پر جانا چاہیئے ایک تم ہو ڈیوٹی پر جانے کی باتیں کر رہے ہو۔ وہ سختی اپنائے اسے ڈپٹ رہی تھی"۔

"نہیں کوئی بات نہیں ہے آپا۔ ان کی مجبوری ہے۔ وہ پہلے ہی بہت چھٹیاں کر چکے ہیں سطرح سے ٹھیک نہیں ہو گا"۔ ماہم نے اس کی حمایت کی گو زوار نے محظوظ ہو کر اسے دیکھا بالکل ٹیپیکل بیوی والی فیلنگ آئی تھی ایسے۔

"اچھا جی! اب ہماری بلی ہم ہی کو میاوں"۔ عائشہ نے منہ پھلا لیا۔

"اچھا آپا! ایک بار جانے دیں۔ وعدہ رہا اگلی بار لمبی چھٹی پر آوں گا۔ اور کہیں گیں تو ماہم کو ورلڈ ٹور پر لے جاوں گا۔ بس اب کی بار اجازت دیجئے"۔ وہ لجاجت سے اسکی منت کرنے لگا۔ کچھ تاو بھاو دکھانے کے بعد وہ مان گئی تھی۔ شام کو ہی وہ چلا گیا تھا۔

جونہی حاصل پور پہنچا ایک سفید لفافہ نئے عندیے کے ساتھ اسکا منتظر تھا۔۔۔

زوار کا ایک بار پھر سے تبادلہ ہو گیا تھا۔ وجہ یقیناً نوید ملک تھا۔ اس بار کم از کم وہ اس تبدیلی پر خوش ضرور ہوا تھا۔ حاصل پور میں رہ کر وہ ماہم سے آزادی کے ساتھ مل نہیں سکتا تھا۔ اسے بلا نہیں سکتا تھا۔ روز روز جا نہیں سکتا تھا۔ کچھ ہی دن بعد وہ ٹھٹھہ پولیس اسٹیشن کا انچارج سنبھال چکا تھا۔

وہ واپس گھر کا چکر لگانا چاہ رہا تھا۔ عائشہ کے فون پر فون آرہے تھے۔ وہ مہینے بھر سے آیا ہوا تھا۔

اس دوران ماہم سے اس کی تقریباً روز ہی بات ہوتی رہی تھی۔ آج اسکی یاد حد سے سوا ہوئی تو ویڈیو کال پر بھی بات کر لی تب ہی ماہم نے اس سے گھر لوٹنے کے بارے میں پوچھا تھا۔

اس نے نیا نیا جوائن کیا تھا چھٹی ملنا مشکل تھا۔ مگر وہ اسے انکار نہیں کر سکا تھا۔ شام ڈیوٹی آف ہوتے ہی وہ بائے روڈ روانہ ہوا تھا۔

آدھی رات کو ماہم نے اسے گھر میں دیوار پھاند کر داخل ہوتے دیکھا تھا۔ وہ آج عجیب سی بے چینی میں سکون تلاشتی ایک بار پھر سے کھڑکی میں کھڑی تھی۔

زوار کے چلے جانے کے بعد سے وہ اوپر والے کمرے ہی میں رہنے لگی تھی۔

وہ اگر پولیس یونیفارم میں نہ ہوتا تو اسطرح کسی کے کودنے پر یقیناً ماہم شور مچا چکی ہوتی۔ وہ تیزی سے باہر لان میں آئی تھی۔ جہاں کھڑا اب وہ گیٹ کھول کر گاڑی پارک کر رہا تھا۔

"آپ ہمیشہ ہی ایسی حرکتیں کرتے ہیں"۔ ماہم تعجب میں گھری۔

"کیسی حرکتیں؟" زوار اپنا کام سرانجام دے چکا تھا جب اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"اب آپ سے کیا کہوں"۔ وہ کچھ سوچ کر ہنسنے لگی۔

۔خدارا بیگم صاحبہ! عشق میں گھرے اپنے عاشق کی ہیرو گری کو بندروں والی حرکتیں مت کہئیے گا"۔

زوار نے ڈرامائی انداز میں شکی نظروں سے اسے دیکھ کر کچھ کہنے سے روکا۔ تو وہ اور زور زور سے ہنسنے لگی۔

"آپ کو کیسے پتہ میرے ذہن میں بندر آئے تھے"۔ ماہم نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

"وہ کیا ہے نہ بیگم صاحبہ! آپ کو فلم دیکھتے کبھی نہیں دیکھا۔ البتہ نیشنل جگرافک آپ بڑے انہماک سے دیکھتی ہیں"۔ وہ سمجھداری سے سر ہلانے لگا۔

"یہ تو سچ کہا آپ نے ویسے یہ اس بے وقت کی آمد کے پیچھے کیا راز ہے؟ جب بھی آپ آتے ہیں آدھی رات کو چوروں کی طرح داخل ہوتے ہیں گھر میں۔ انسانوں کی طرح دن میں کیوں نہیں آتے"۔ ماہم نے پچھلی کئی دفعہ کی آمد کو نشانہ بنایا۔

"بس کیا کریں عاشق عام انسان تو ویسے بھی نہیں ہوتے یار۔ اب بنا چھٹی آدھی رات کو شوہر خاص تمہارے عشق میں گرفتار تمہارے دیدار کو آ ہی گیا ہے تو تفتیش کی بجائے دو چار دل کی باتیں ہی کر لو"۔ چاندنی رات میں وہ دونوں لان میں ٹہلنے لگے تھے۔

اس کے بار بار اس طرز مخاطب پر وہ شرما جاتی تو زوار جی بھر کر اسکی لال گلابی ہوتی موہنی صورت اپنی آنکھوں میں بھرتا رہتا۔

"پولیس والوں کو بھی تفتیش کا سامنا کرتے رہنا چاہئیے نہ۔ خود پر بیتے تو ہی احساس ہوتا ہے جناب!"

"پولیس والے تو مجرموں سے تفتیش کرتے ہیں۔ ہم نے کیا جرم کر دیا جو آپ ہم سے تفتیش کرنے پر اتر آئی ہیں"۔ وہ اس کے سامنے کھڑا اسکا ہاتھ تھامے اس سے اپنا جرم پوچھ رہا تھا۔ وہ سٹپٹا گئی۔

"آپ چائے پیئں گے"۔ اسنے موضوع بدلنے کہ کوشش کی گئی۔

"تم سے ملنے کے چکر میں کھانہ بھی نہیں کھایا اور تم صرف چائے پر ٹرخانے کی بات کر رہی ہو"۔ وہ مصنوعی خفگی دکھا رہا تھا۔ ماہم شرمسار ہوئی۔

"کھانہ گرم کرکے لاتی ہوں آپ فریش ہو جائیں"۔ کہہ کر وہ چلی گئی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ کھانہ ٹرے میں سجائے کمرے میں داخل ہوئی زوار ڈھیلے ڈھالے نائیٹ ڈریس میں ملبوس بیڈ پر نیم دراز تھا۔ اسے آتے دیکھ کر اٹھ بیٹھا ماہم نے بیڈ پر ہی دستر خوان بچھا کر کھانہ چن دیا تھا۔ وہ بہت تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ اسے مزید زحمت دینا نہیں چاہ رہی تھی۔

"یہ عائشہ کو کیا ہوا کیسا کھانہ بنایا ہے اس نے۔ یہ جلفریزی ہیں یا جلے ہوئے فریزی۔ پہلا نوالہ حلق سے اتارتے ہی اعتراض ہوا۔ اور یہ چاول ہیں۔ یا مربع"۔ ماہم کا چہرہ دھواں دھواں ہوا۔

"حیرت ہے۔ عائشہ کو کھانہ بنانا بھی بھول گیا لگتا ہے۔ کھاتے کھاتے اب وہ اپنی رائے کا اظہار بھی کرتا جارہات ?ا"۔

"کھانہ عائشہ آپا نے نہیں بنایا"۔ ماہم بجھے بجھے لہجے میں بولی۔

"تو پھر کس نے بنایا ہے"۔ وہ کھاتے کھاتے رکا۔

"میں نے"۔ ماہم کی پھنسی پھنسی آواز برآمد ہوئی۔

زوار کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ کمرے میں کتنی ہی دیر گہرہ سکوت چھایا رہا۔ زوار اسے بتانا چاہ رہا تھا۔ کہ کھانا اتنا بھی برا نہیں بنا تھا۔ مگر کتنی ہی صفائیاں دلیلیں سوچ کر رہ ہی گیا۔ وہ کھانہ کھا چکا تو ماہم برتن سمیٹ کر لے گئی۔ وہ اپنے آپ کو کوستا رہا۔ ماہم ہرٹ ہوئی ہوگی۔ اس نے سوچا مگر زبان سے نکلے الفاظ اب کسی طور واپس نہیں لیے جاسکتے تھے۔

وہ واپس آئی تو زوار کمرے ہی میں ٹہل رہا تھا۔

"تمہاری یونیورسٹی کیسی جارہی ہی کچھ پرابلم تو نہیں"۔ اس نے بات کا آغاز از سر نو کیا۔

"اچھی جارہی ہے۔ پہلے سمسٹر کے ایگزام ہونے والے ہیں اگلے مہینے"۔

"گڈ! اور جاب پر روز جارہی ہو"۔ وہ مزید پوچھنے لگا یہ بات وہ جانتا تھا۔ پھر بھی پوچھ رہا تھا۔

"روز جاتی ہوں۔ سنئیرز کے ساتھ ورکشاپس ہوتی ہیں۔ انفیکٹ پہلی آسائنمنٹ میں اسسٹ بھی کرنی والی ہوں حیدر خان کو۔

بہت بڑے فوٹو گرافر ہیں وہ۔ میں نے تو خوابوں میں بھی نہیں سوچا ہو گا کہ ان سے سیکھنے کو بھی کچھ ملے گا مجھے"۔ وہ بتاتے ہوئے پر جوش ہوئی"پر ایک مسئلہ ہے"۔ کہتے کہتے اسکا چہرہ ماند پڑا۔

"کیا مسئلہ ہے"۔ وہ صوفے پر بیٹھی تھی۔ زوار اس کے برابر آن بیٹھا۔

"فوٹو شوٹ کے لیے یہاں سے بہت دور کسی لوکیشن پر جانا ہو گا 6 دن کا شیڈول ہے"۔ اس نے بتایا۔

"یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں خود چلوں گا تمہارے ساتھ۔ ویسے کب جانا ہے اور کہاں جانا ہے"۔ زوار نے اسکا مسئلہ چٹکیوں میں حل کر دیا تو کتنی ہی دیر بے یقینی سے وہ اسے دیکھتی رہی۔

"کیلاش جانا ہے۔ اور میرے ایگزامز کے فورا بعد کی ڈیٹ فائنل ہوئی ہے"۔

وہ شخص ماہم کے لیے ایک مہربان سایہ تھا۔ جسکی چھاوں سے دور اس کے لیے بس تپتی دھوپ اور تنہائی تھی۔ آج سے بہت دن پہلے ہی اسے اندازہ ہو چکا تھا۔ زوار جیسے شخص کے ساتھ زندگی کتنی حسین ہو سکتی تھی۔ مگر آج اسے اندازہ ہوا تھا۔ وہ جسکی تلاش میں تھی۔ وہ کامیابی وہ آزادی وہ خوشی سب کچھ زوار تھا۔

"میں اب چلتا ہوں صبح ڈیوٹی ہے۔ اور میرا پہلا فرض تو میرا پیشہ ہی ہے۔ اجازت چاہتا ہوں"۔ وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا کہ ماہم نے بے اختیار اسکا ہاتھ تھام کر اسے روک لیا تھا۔

زوار کی حیرت دیدنی تھی۔

"مت جائیں زوار!" وہ اٹھ کر اس کے قریب آچکی تھی۔ ماہم کا ہر ہر انداز زوار کو بتا رہا تھا کہ وہ اسے دل و جاں سے اپنا چکی تھی۔ زوار نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا تھا۔ وہ عورت کو برابر کے حقوق دینے والا اس کی زندگی کا واحد مرد تھا۔ کیونکر نہ وہ اس کے سامنے اپنا وجود ہارتی جب کے وہ جانتی تھی کہ اس کے سامنے ہار کر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جیت جانے والی تھی۔

وہ رات محبت کی برسات میں گزار کر وہ دونوں ہی نازاں تھے۔ ماہم کا کالج دو دن آف تھا۔ اور زوار اسے مسلسل اصرار کر کے ٹھٹھہ بلا رہا تھا۔ جہاں وہ آجکل خود رہائش پذیر تھا۔ وہ اتنے مان اور چاہ سے ضد کر رہا تھا۔ ماہم سے زیادہ دیر نفی نہ ہو سکی کل ویسے ہی سنڈے تھا۔ اور منڈے کو اس نے آفس سے چھٹی لے لی تھی۔ اور شام کو وہ زوار کے پاس اس کے ساتھ بیٹھی اس کے ہاتھ کی بنی چائے پی رہی تھی۔

"ویسے اس ڈھابے کی چائے سے زیادہ اچھی چائے تو آپ بناتے ہیں"۔ اس نے تعریف کی۔ زوار اترایا۔

"بس ہر چیز میں بندہ ناچیز کمال رکھتا ہے"۔

"یہ تو ماننا پڑے گا دل جیتنے میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ ویسے یقین جانے آج تک حیرت ہوتی ہے۔ مردوں سے ہر

وقت خائف رہنے والی میں ماہم وقار شاہ نے کسطرح سے ایک انجان شخص پر اعتبار کر کے اس کے ساتھ جانے جیسا بڑا قدم اٹھالیا اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ اپنی ذات پر رسک تو میں نے حویلی چھوڑتے ہی اٹھالیا تھا۔ پھر کسی نہ کسی پر اعتبار تو کرنا ہی تھا۔ مجھے کسی راستے کی تلاش تھی۔ اور آپ سفر کے اندھیرے میں میرے لیے روشن دیا ثابت ہوئے زوار۔ قدم قدم پر مجھے تھام لیا۔ سہارا دیا۔ میرے لیے ہر ناممکن کو آسان ترین بنا دیا"۔ اس کے شانے سے سر ٹکائے وہ ماضی کی یاد میں کھوئی ہوئی اپنے احساسات اس سے بیان کر رہی تھی۔

"اور دوسری وجہ"۔ وہ اس کے ماتھے پر بوسہ دے کر دریافت کرنے لگا"۔

"دوسری وجہ آپ کی آنکھوں سے چھلکتی سچائی تھی۔ نوید ملک والے قصے میں آپ نے میرا یقین اور ریسپیکٹ دونوں ہی کچھ نہ کچھ حد تک حاصل کر لی تھی۔ اور پھر جب آپ حویلی آئے تب آپ نے لالہ کو بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ آپ کو پتہ ہے۔ آپ کی گاڑی میں خاص طور پر سوار ہوئی تھی۔ وہاں بہت سے لوگ تھے۔ مگر ان میں سے میں نے آپ کو چنا کیونکہ کہیں نہ کہیں میں نے آپ کو عورت کا محافظ پایا تھا۔ آپ سے مل کر ہی تو اندازہ ہوا تھا سارے مرد برے نہیں ہوتے۔ یہ تو سوچ بری ہوتی ہے۔ مرد کی خود کو برتر سمجھنے والی سوچ جو ذہن کے کونے میں کسی دیوار کی طرح ڈیرہ جمائے بیٹھی رہتی ہے۔

جس دن یہ سوچ تھوڑی سی بھی تبدیل ہو گئی۔ عورت کو انسان سمجھنا اسکی خواہشات، بنیادی ضروریات کو اس کا حق سمجھنے لگے یہ سو کولڈ پڑھے لکھے جاہل مرد۔ اس دن سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا بغاوت کی نوبت نہیں آئے گی۔ اس سوچ کی زنجیروں سے رہائی حاصل کرنا بہت ضروری ہے"۔

زوار خاموش اسے سنتا جا رہا تھا۔

"ماہم تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ یہ سب کچھ ایک غلط خود ساختہ سوچ ہی کی وجہ سے ہے۔ جس دن معاشرے نے اس سوچ سے رہائی حاصل کر لی اس دن ایک نیا دن روشن ہو گا۔ ایک نیا اچھا کشادہ ذہنیت والا ماحول ترتیب پائے گا"۔

زوار اس سے متفق تھا۔ دونوں کتنی ہی دیر باتیں کرتے رہے تھے۔ ایک دوسرے کی سنگت میں دونوں کی دنیا مکمل ہونے لگی تھی۔ رات کا تیسرا پہر تھا۔ زوار بیڈ پر چت لیٹا ہوا تھا۔ ماہم اسکے سینے پر سر رکھے گہری نیند سو رہی تھی۔

اسکے کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔ وہ پہلے سے جاگ رہا تھا۔ احتیاط سے ماہم کا سر تکیے پر منتقل کرتا اٹھ کر وہ دروازے تک آیا تھا۔ دروزہ ک؟ ولا تو سامنے اسکا ملازم بخشو مودب سا کھڑا تھا۔

"سر کوئی آپ سے ملنے آیا ہے باہر"۔ اس نے پیغام رسانی کی۔

"اسوقت کون آگیا"

"سر پتہ نہیں نام نہیں بتایا جناب نے۔ کہتا ہے آپ کا دوست ہے۔ آپ اسے جانتے ہیں"۔

"اچھا تم جاؤ میں آتا ہوں"۔ اسے جانے کا کہہ کر زوار پستول لینے کے لیے واپس مڑا تھا۔ یہ اسکی پکی عادت ہو چکی تھی کہ باہر جاتے وقت پسٹل ہمیشہ پاس رکھتا تھا۔

باہر آیا تو حقیقی معنوں میں اس کے ہوش گم ہوئے سامنے ہی صوفے پر وقار شاہ مضطرب سا بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی کھڑا ہوا دونوں کے بیچ مصافحہ ہوا تھا۔ زوار کو خطرے کی بو محسوس ہونے لگی تھی۔

"زوار تم سوچ رہے ہو گے اسوقت میں نے تمھیں پریشان کیوں کیا مگر بات ہی ایسی ہے"۔

"میرے خاندان کے کسی شخص نے ماہم کو آج یہاں اس جگہ دیکھا ہے۔ یہاں ارد گرد کا ہی کوئی علاقہ تھا۔ جہاں اس نے اسے کسی گاڑی میں سوار دیکھا ہے۔ گاڑی کا نمبر بھی ہے"۔

اس سے پہلے کے زوار وقار شاہ کی کسی بات کا جواب دیتا دوپٹہ سینے پر پھیلاتی ماہم ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی۔

"کیا ہوا زوار آپ اسوقت باہر کیوں ہیں۔ سب ٹھیک تو۔۔۔"

بولتے بولتے اسکی نگاہ وقار شاہ پر پڑی تھی۔ اسکی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ اسے لگا خون گویا اس کی رگوں میں منجمند ہو کر رہ گیا ہو۔ خوف سے اسکی روح کانپ اٹھی تھی۔

دوسری جانب حیرت اور شاک سے وقار شاہ کی آنکھیں ابل پڑی تھیں۔

"ماہم تم یہاں؟ اسکا مطلب، یعنی تم اور زوار میرے ساتھ کھیل کھیل رہے تھے۔ مجھے بیوقوف بنا کر میری ہی عزت پر ڈاکہ ڈال رہے تھے"۔ غیض وغضب سے اس کی آنکھوں میں سرخ شرارے سے بھرنے لگے تھے۔

زوار کچھ کہنا ہی چاہتا تھا۔ مگر اس سے پہلے ہی وقار شاہ نے ڈب سے پستول نکال کر ماہم کا نشانہ لیا تھا۔

"میں تم سے اس گھٹیا حرکت کی وجہ نہیں پوچھوں گا۔ تمہارا جرم اتنا بڑا ہے۔ کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہی ختم ہو جاتی ہے۔ میں تمہیں اپنے خاندان کی آبرو پر بٹہ لگانے کے جرم میں قاری کرتا ہوں"۔

کہہ کر اس نے ٹریگر دبایا تھا۔ مگر اس سے پہلے ہی زوار بجلی کی سی تیزی سے لپک کر ماہم کے سامنے دیوار بن چکا تھا۔ گولی اسکے دائیں شانے کو چھو کر گزر گئی تھی۔ وہ کراہا تھا۔ ماہم کا کلیجہ لرز کر رہ گیا۔ زوار کو اس نے بازو سے تھامنا چاہا مگر بنا کوئی لمحہ ضائع کیے زوار نے پسٹل نکال کر وقار شاہ پر تان دی تھی۔ گولی کی آواز سن کر اس کے گھر کے باہر تعینات دونوں سپاہی موقعے پر پہنچ چکے تھے۔ وہ پوری طرح سے اب ان کے گھیرے میں تھا۔

"وقار شاہ اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دو ورنہ مجبوراً مجھے تم پر گولی چلانی پڑے گی"۔ زوار مضبوط تنا کھڑا ایک ہونہار پولیس آفیسر کہ منہ بولتی تصویر تھا۔

"گولی مت چلایئے گا زوار"۔ ماہم ڈری تھی۔ سہمی تھی۔ وہ اپنی خاطر اپنے بھائی کی لاش قطعاً نہیں بچھا سکتی تھی۔ ایک بہن کی فریاد فطری تھی۔ زوار پر رتی برابر اثر نہیں ہوا تھا۔ اسوقت ماہم کی زندگی سے بڑھ کر اسے کچھ بھی عزیز نہیں تھا۔

"ماہم تم اندر جاو۔ میں سنمبھال لوں گا۔ بھروسہ رکھو"۔ زوار کے لفظوں پر اسے آنکھ بند کر کے یقین تھا۔

وہ اندر بھاگ گئی تھی۔ وقار شاہ کہ پاس کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔ مجبوراً اس نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ زوار کو خاصا گہرا زخم آیا تھا۔ وہ ہاسپٹل میں داخل تھا۔

گولی ہڈی میں گھس جاتی تو شاید مزید بڑا نقصان ہو جاتا مگر خدا کا فضل تھا۔ کہ وہ اب بہتر تھا۔ ڈاکٹر نے یہ ساری اطلاعات بخشو کو دی تھیں۔ زوار نے ماہم کو ہاسپٹل آنے سے سختی سے روک دیا تھا۔ وہ خود کو بے بسی کی آخری انتہا پر محسوس کر رہی تھی۔

وہ حویلی کی قید سے چھٹکارہ پا لینے کے باوجود ان کے خوف کی بندی تھی۔ اس نے آزادی کے خواب دیکھے تھے۔ ایک قید سے دوسری قید تک منتقل ہونے کا یہ سفر بے معنی تھا۔ وہ کیوں نہ اپنے شوہر کی خبر گیری کو جائے؟ اپنی موت کے خوف سے؟ یا پھر وہ جو ہاسپٹل میں اس کے حصے کا زخم کھائے تنہا پڑا تھا اسکو کچھ ہو جانے کے صدمے سے؟ اب اپنے ساتھ ساتھ وہ زوار کی زندگی کو بھی خطرے میں ڈال چکی تھی۔ سوچ سوچ کر اسکا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ رو رو کر آنکھیں سوجھی ہوئیں تھی۔ وہ اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی۔ اپنی گھٹن کو اس نے دلدوز چیخوں کے زریعے کم کرنے کی کوشش کی تھی۔ بخشو سے ہی اسے علم ہوا تھا کہ وقار شاہ اسوقت جیل میں تھا۔

مگر اسے بس زوار کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ وہ اسکا محسن تھا۔ بدلے میں ماہم تو تکلیف کے موقعے پر اسکو سہارا دینے کے لیے بھی موجود نہیں تھی۔ اور جو زوار کو کچھ ہو جاتا۔ اس ایک بات کے آگے تو وہ خود کو کچھ سوچنے کے قابل ہی نہیں سمجھ پاتی تھی۔

فجر کی اذان کی پہلی پکار پر جیسے کسی نے اسے تھام کر سہارا دیا تھا۔ اللہ اکبر کی صدا نے اس کے اندر بیشمار ہمت طاقت اور جرات بھر دی تھی۔ وہ آنسو رگڑتی اٹھ کھڑی ہوئی تھء۔ چادر اوڑھ کر وہ تنہا ہی گھر سے نکل گئی تھی۔ ہاسپٹل کا پتہ اسے بخشو نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ پیدل ہی مارچ کر رہی وہ ہسپتال پہنچی تھی۔ زوار کو یوں تو اب تک روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ لیکن پین کلر کے زیر اثر وہ اب تک سو رہا تھا۔ ماہم دروازہ نیم واہ کیے اسے کتنے ہی پل دیکھے گئی تھی۔

اس سب کا قصوروار وہ خود کو گردان رہی تھی۔ یہ اس کی بزدلی کا ہی تو نتیجہ تھا۔ جو زوار کو اس حال میں لے آیا تھا۔ وقار شاہ پر گولی نہ چلانے کا حکم ماہم نے دیا تھا۔ زوار نے اس پر سچ میں گولی نہیں چلائی تھی۔

ماہم پر جنونی سی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔ وہ زوار کے قدموں میں بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ کیوں! کیوں اس نے زوار کی زندگی کو داؤ پر لگا کر وقار شاہ کو بچانے کی کوشش کی؟ زوار کیا سوچتا ہوگا اس کے بارے میں۔ اسے سب کچھ دینے کے بعد بھی زوار کو کیا ملا تھا۔ وہ سچے خلوص کا مستحق تھا۔

جبکہ ماہم نے اس کی جان کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ کب تک عورت یوں اپنی محبت کو اپنے خاندان پر قربان کرتی رہے گی؟ اس نے خود سے سوال کیا تھا۔ رو رو کر ماہم کی ہچکی بندھنے لگی تھی۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھتی وہاں سے چلی آئی تھی۔ وہ اپنی عدالت کے کٹہرے میں کھڑی تھی۔ اسے فیصلہ کرنا تھا۔ اپنے حق کو پانے کا یا پھر ہو نہی روایت قائم رکھے بے قدر و قیمت ہو کر قربان ہو جانے کا۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ زمانے بھر کی لڑکیوں کے لیے ایک کمزور مثال بنے جب نر من مانی کا حق رکھتا تھا۔ تو پھر یہ بات عورت کے لیے ہی ممنوع کیوں تھی۔ عورت کی ہار جیت کا فیصلہ آج ماہم کے اختیار میں تھا۔ مگر وہ خود اسوقت اپنے اختیار میں نہیں رہی تھی۔

زوار کو شام گئے ہوش آیا تھا۔ ماہم اس کے سامنے ہی صوفے پر بیٹھی تھی۔ اسے آنکھیں کھولے اپنی ہی جانب دیکھتے پا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اگلے ہی پل اسکے سینے سے لپٹی وہ زار و قطار آنسو بہانے لگی۔

"زیادہ تو نہیں لگی"۔ کچھ دیر بعد خود کو سنبھالتے اس سے جدا ہو کر ماہم نے پوچھا۔

"لگی ہے نہ۔ بہت زور کی لگی ہے۔ جب سے لگی ہے بس ہمہ وقت ٹیسیں اٹھتی رہتی ہیں"۔ وہ سنجیدہ شکل لیے بولا تو ماہم کی ہوائیاں مزید اڑیں۔

"تو آپ ڈاکٹر کو بتائیں نہ"۔ ماہم متفکر تھی۔

"بتا ہی تو رہا ہوں"۔ وہ بولا تو ماہم نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"میں آپ کے زخم کی بات کر رہی ہوں"۔ کچھ دیر بعد سمجھتے ہوئے ماہم کے لب مسکرا دیئے۔

"گولیاں تو پولیس والے ناشتے کی طرح کھا لیتے ہیں بیگم صاحبہ! اصل لگی تو دل کی لگی ہے۔ جو بڑی ہی شدت سے جا لگی ہے"۔ وہ شراتی مسکان چہرے پر سجائے اپنی ہی دھن میں بہنے لگا تھا۔ ماہم کو اس کی مسکراہٹ نے اپنے فیصلے پر ثابت قدم رہنے کی نئی قوت دی تھی۔

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ ماہم نے دروازہ کھولا تو سامنے ہی نیازی صاحب کالے کورٹ میں پر فیشنل مسکراہٹ اچھالتے کھڑے دکھائی دیے۔

انھیں دیکھ کر زاور نے ماہم کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"میں نے وقار شاہ پر مقدمہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے زوار! وقار شاہ نے ہم پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ اس کی سزا انھیں مل کر رہے گی۔ میں اب تھک چکی ہوں بزدلی کا مکھوٹہ اوڑھ کر جیتے جیتے۔ میں حویلی کہ قید سے تو جیسے تیسے نکل آئی تھی۔ اب وقت آگیا ہے اس ان دیکھے خوف سے بھی جان چھڑالی جائے۔ یہ آزادی کی جنگ ہے۔ اسے لڑنا میرا حق ہے۔ میں پیچھے ہرگز نہیں ہٹوں گی"۔ اس نے اپنا فیصلہ سنایا۔

اس کی فخر سے اٹھتی نظریں ماہم کو اس کے ساتھ کا یقین دلا رہیں تھیں۔

تیسری پیشی پر وقار شاہ کو 10 سال قید بامشقت کی سزا دی گئی تھی۔ ماہم عدالت میں حاضر ہوئی تھی۔ گواہی بھی دی تھی۔ زوار نے قطعی اس کے حق کی لڑائی کو اپنی غیر ضروری انا کا مسئلہ نہیں بنایا تھا۔ وہ قدم قدم پر اسے تھامنے کے لیے کھڑا رہا تھا۔ وہ اب مکمل صحت یاب ہو کر اب واپس ڈیوٹی جوائن کر چکا تھا۔ ماہم آزادی سے اپنے ایگزامز دے رہی تھی۔

یہ بات عدالتی فائلز میں لکھی جا چکی تھی کہ زوار اور ماہم کو کسی بھی قسم کا جانی و مالی نقصان پیش آیا تو اسکا ذمے دار ماہم کا خاندان ہی ہو گا۔

آج فیصلے کی سنوائی کے بعد وہ زوار کا ہاتھ تھامے کورٹ سے باہر نکلی تھی۔

سامنے وجاہت شاہ کا اپنا منتظر کھڑا پا کر ٹھٹھک کر رک گئی۔ کچھ بھی تھا وہ شخص اس کا باپ تھا۔ نظریں آپ ہی آپ ادب سے جھکنے لگیں تھیں۔ انھوں نے آگے بڑھ کر ماہم کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا تو زوار اور ماہم کو اس انہونی کے ہونے پر یقین ہی نہیں آیا تھا۔

"ماہم تم مجھے ظالم جابر سمجھتی رہیں اس میں تم غلط نہیں تھیں۔ میں نے اتنے گناہوں کا بوجھ اپنے سر پر لاد رکھا ہے۔ جن کا مکافات عمل مجھے بھگتنا ہی تھا۔ شاید آج سے پہلے اگر میں تم سے بات کرتا تو تم ایک بار پھر سے مجھے خود غرض سمجھتیں۔ ماہم مگر میں تمہارا باپ ہوں اس حد تک کٹھور نہیں بن پایا کے تمہاری لاش کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ ورنہ جب میں نے تمہیں تمہاری یونیورسٹی کے پولیٹیکل ایوینٹ میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ میں اسی وقت حساب کتاب کر گزرتا مگر ماہم حساب لینے والی ذات اللہ کی ہے۔ مایا کا مجرم ہوں یہ بات مجھے ہچکولے دیتی رہتی ہے۔ میں ایک اور جرم اپنے کندھوں پر نہیں لاد سکتا۔ تم سے نہ ملنے کی وجہ یہ ہی تھی۔ میں کسی اور کو یہاں تمہاری موجودگی کا پتہ دینا نہیں چاہتا تھا۔

میں آج تمہارے سامنے تمہارے حق کو تسلیم کرتے ہوئے کھلے دل سے بیان کرتا ہوں کہ مجھے تم پر فخر ہے۔ ماہم اپنی ماں جیسی ہمت تھی تم میں۔ تم نے جو چاہا اللہ کی مدد سے وہ کر دکھایا۔ وقار شاہ کو سزا دلوا کر تم نے یہ بازی جیت لی ہے۔ جب تک مجرم کو

جرم کی سزا کی علم حاصل نہیں ہو گا وہ جرم کرتے رہنے سے بعض نہیں آیگا۔ یہ سزا میری اور وقار شاہ دونوں کی خطاوں کا پھل ہے۔

تمہارے لیے بے شک ہمارے خاندان میں اب بھی کوئی گنجائش نہ نکلتی ہو لیکن میرے دل میں تمہارے لیے اتنا ہی مرتبہ ہے۔ جتنا کہ تمہارا حق بنتا ہے"۔ وہ ضیعفی کا شکار کانپتے وجود کو سہارا دیتے لڑکھڑاتی زبان سے اپنے ضمیر کی کوڑے مارتی آواز سے مجبور ماہم سے کہتے جا رہے تھے۔

المیہ تو یہ ہی ہے۔ آدھے سے زیادہ لوگوں کو بڑھاپے میں ہی خدا یاد آتا ہے۔ وجاہت شاہ بھی ان میں سے ایک تھا۔ ماہم نے وجاہت شاہ کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر چوم ڈالے حتی کے وہ جانتی تھی۔ یہ مایا کو زہر دینے والے قاتل ہاتھ تھے۔ مگر اس کے کیے وہ شخص اسوقت صرف اسکا باپ تھا۔ جب اس نے سب کچھ بھلا کر ماہم کو بس بیٹی سمجھ کر اپنایا تھا۔ تو کیوں نہ ماہم بھی معاف کرنے کا ہنر سیکھ لیتی۔ اس دن وجاہت شاہ ان کے ہمراہ ان کے گھر تک آئے تھے۔ زوار اور وجاہت شاہ کو ڈرائنگ روم میں چائے سرو کرتی ماہم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

ان کے جانے کے بعد رات کو جب وہ سونے کی غرض سے بستر میں آئی تو زوار موبائل پر گیم کھیلتا دکھائی دیا۔"۔

اس کے ہاتھ سے موبائل چھین کر ماہم نے اسکی بازو پر سر رکھ کر موبائل اسکے دوسرے ہاتھ پر دھرا۔

"یہ فضول کی گیمز نہ کھیلا کریں۔ وقت کی بربادی ہے"۔ وہ منہ بسور کر بولی تو زوار نے اسکے کیوٹ سے گال کھینچے۔

"تمہیں کیا بتاوں بیگم! اب جب تمہاری یاد بے پناہ ستائے گی تو کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ تو بس دل سے مجبور ہو کر دماغ کو کہیں نہ کہیں مصروف تو کرنا پڑتا ہے نہ"۔

وہ گہری سانس بھرتا اسکی موہنی سی صورت کو آنکھوں میں بھرتا بولا۔ اک الگ سی چمک تھی اسکی آنکھوں میں۔ کتنی ہی دیر و؟ کھوئی سی اسے دیکھتی رہی تھی۔ زوار بھی ٹکٹکی باندھے اسی کی نگاہوں کے سرور میں ڈوبا ہوا تھا۔ "سب پتہ ہیں مجھے بہانے آپکے۔ اب تو میں آپ کے پاس ہوں پھر کیوں اس میں گھسے تھے آپ"۔ وہ منہ بسور کر بولتی اسکی نظروں میں بے پناہ محبت کی تپش نہ سہتے ہوئے زرا سا شرما کر نگاہیں پھیر گئی۔ زورا کے لبوں پر بکھری ہلکی مسکان گہری ہوئی تھی.

"وہ اس لیے بیگم کہ تمہاری طرح اب ان سب چیزوں کی بھی لت لگتی جا رہی ہے"۔ وہ اسکے شانوں کے گرد اپنی بازو حائل کرتا اسے اپنی بانہوں کے گھیرے میں لے چکا تھا۔ ماہم نے سر اس کے سینے پر ٹکا کر آنکھیں موندیں۔ "ویسے یہ کونسی فلم دیکھی ہے آج آپ نے دھڑا دھڑ ڈائیلاگز مار رہے ہیں"۔ زوار کے سینے پہ کہنی ٹکائے ایک بار پھر ماہم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"خدا کا خوف کرو بیگم! شوہر کی ایسی بے لوث محبت پہ شک کر رہی ہو"۔ زوار نے پوری آنکھیں پھیلا کر اسے شکی نظروں

سے دیکھا تو وہ کھکھلا کر ہنسنے لگی۔

آج انہیں زمانے کی زنگ آلود زنجیروں سے صحیح معنوں میں رہائی ملی تھی۔ مگر ان دونوں کی محبت اس پل انہیں ایک دوسرے کی بانہوں سے رہا کرنے کے موڈ میں ہر گز نہیں تھی۔ وہ ایک دوسرے کی نظروں میں قید اپنی رہائی کا جشن بڑے جذب سے مناتے آزادی کے نشے میں بہتے خوشیوں کی برسات میں بھیگتے رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆